إِنْ أُرِيْدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ

اگست ۲۰۲۰ء

ماہنامہ

البرہان

لاہور

مدیر ڈاکٹر محمد امین

ڈاکٹر محمد امین کی تازہ تالیف

اسلام اور ردِّ مغرب

مغربی تہذیب خلافِ اسلام ہے اور اس کا ردّ شرعاً واجب ہے

- مغربی تہذیب کے قابل ردّ ہونے کے نو (۹) شرعی و عقلی مبسوط دلائل
- ردّ مغربی تہذیب کے موقف پر اشکالات واعتراضات کا جائزہ
- ردّ مغربی فکر وتہذیب کے تقاضے

ڈاکٹر محمد امین

صفحات: ۲۱۴

قیمت: ۳۰۰ روپے بغیر ڈاک خرچ

مکتبہ البرہان، لاہور

تحریک انصاف کی حکومت کا

یکساں قومی نصاب ۔ خدشات و مضمرات

پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ تحریک انصاف کی حکومت ہیومنزم اور سیکولرازم کے اصولوں پر یکساں نصاب بنا رہی ہے۔ اس کے خلاف ملک کے مندرجہ ذیل ممتاز ماہرین تعلیم، علماء کرام اور اسلامی سکالرز کا ردّعمل:

- پروفیسر ملک محمد حسین، پروفیسر ڈاکٹر محمد امین، پروفیسر ڈاکٹر میاں محمد اکرم، خالد رحمن، پروفیسر ڈاکٹر محمد نصیر کیانی، پروفیسر عبدالواحد سجاد، پروفیسر عبدالخالق وٹو، پروفیسر شاکر علوی، عبدالحفیظ عابد، انجینئر لبیب، منصور اصغر راجہ، مقدر عباس
- مولانا زاہد الراشدی اور مولانا سردار محمد خاں لغاری

ترتیب و تہذیب

ڈاکٹر محمد امین
پروفیسر علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف لاہور

پروفیسر ملک محمد حسین
سابق ڈائریکٹر سٹاف ڈویلپمنٹ ڈائریکٹوریٹ، پنجاب

صفحات: ۲۲۴ قیمت: ۲۵۰ روپے بغیر ڈاک خرچ

مکتبہ البرہان

A-97 نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

فون: 0309-4607124، ای میل ermpak@hotmail.com

ڈاکٹر محمد امین کی مرتبہ تازہ کاوش

مدرسہ ڈسکورسز

مطالعہ و تجزیہ

پاک وہند کے دینی مدارس کے طلبہ کے فکری اغوا کے لیے امریکی مسیحی مشنری یونیورسٹی کی
علمی اور مالی مدد سے پاک وہند کے متجددین کی کاوشوں کے خلاف

پاکستان کے ڈاکٹر ابصار احمد ڈاکٹر محمد امین محمد دین جوہر
مفتی منیب الرحمن سید خالد جامعی عامرہ احسان
ڈاکٹر زاہد صدیق مغل آصف محمود اور

بھارت کے مفتی محمد اللہ قیصر قاسمی یاسر ندیم الواجدی

کے علمی مقالات کا مجموعہ

صفحات: ۱۵۴ قیمت: ۲۵۰ روپے بغیر ڈاک خرچ

مکتبہ البرہان

A-97 نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

فون: 0309-4607124، ای میل ermpak@hotmail.com

ماہنامہ البرہان لاہور

جلد ۲۴، شمارہ ۸، اگست ۲۰۲۰ء/ ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ

مشمولات

Oفکر و نظر

درمیانِ دو لعین — مدیر — ۴

Oتعلیم و تربیت

- یکساں قومی نصاب - ایک بکھرتا ہوا خواب — پروفیسر ملک محمد حسین — ۵
- سکولوں کو جنسی ادارے بنانے والے سیکولر عناصر — عاصم حفیظ — ۱۳
- قرآن کی تعلیم پر تین سیکولر کالم نگاروں کا حملہ — شاہ نواز فاروقی — ۱۶
- پاکستانی یونیورسٹیوں میں سیکولرزم کا پرچار — ادارہ — ۲۱

Oتفہیم دین

- حقیقتِ دین — ڈاکٹر محمد امین — ۲۴
- مسلمانوں کے عروج و زوال کی وجوہات — سید خالد جامعی — ۳۵

Oعالم اسلام

مسجد آیا صوفیہ کی بحالی: تاریخی پس منظر — ڈاکٹر محمد سہیل شفیق — ۳۸

Oمطالعۂ کتاب

مسلم ہندوستان کے زوال پر ولیم ڈیل رِم پَر کی کتاب کی تلخیص — جاوید احمد خورشید — ۴۴

Oدستان سرائے

دلچسپ و ایمان افروز واقعات — ادارہ — ۵۱

Oذرا ھٹ کے

ایک لوہار کی — ڈاکٹر عبداللہ — ۵۷

فکرونظر

درمیانِ دو لعین

ایک خاتون نے دوسری سے پنجابی روزمرہ میں کہا "نی! کھسم تے اِک وی بیہڑا ہوندا اے مَیں تے دو دو بھگتے نیں"، یعنی ظالم شوہر ایک ہی ہو تو مصیبت ہوتا ہے مَیں نے تو دو دو بھگتائے ہیں۔

یہ بات ہمیں یوں یاد آئی کہ ہماری عسکری اور سیاسی قیادت آج کل دو آقا بھگتانے کا تجربہ کر رہی ہے حالانکہ ظالم آقا تو ایک ہی کافی ہوتا ہے۔ امریکہ کی غلامی ہی ہمارے لیے کم نہ تھی کہ ہم نے چین کے نئے استعمار کو بھی آقا بنالیا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ امریکہ کی اسلام اور پاکستان دشمنی واضح از شمس ہے اور اس کے لیے دلائل دینا بھی تحصیل حاصل ہے لیکن اس کے ساتھ ہم نے چین کی مالا بھی گلے میں پہن لی ہے۔ فرق یہ ہے کہ امریکی جبر کی مثال عصر کے وقت کی ہے اور چین کی چاشت کے وقت کی۔ چین چونکہ ابھی یونی پولر سپر پاور نہیں بنا، بن رہا ہے لہٰذا اس نے ہاتھ ذرا ہولا رکھا ہوا ہے۔ اس کے باوجود اس کے رعب اور جبر کی یہ حالت ہے کہ وہ چینی ترکستان کے کروڑوں مسلمانوں کو ظلم و جبر کی چکی میں پیس رہا ہے اور انہیں رونے بھی نہیں دے رہا بلکہ ہم سے اور دیگر زیرِ احسان مسلم ممالک سے بیان دلوا رہا ہے کہ وہاں سب خیریت ہے۔ ان کے کچھ نوجوان ظلم سے تنگ آ کر ہمارے قبائلی علاقوں میں آ گئے تھے کہ جبر سے لڑنا سیکھیں اور ہم نے چین کے اشارے پر انہیں کچل دیا۔ سری لنکا کے مسلمانوں کی مظلومیت اور حالت زار ساری دنیا رو رہی ہے لیکن چین اسے تھپکی دے رہا ہے کیونکہ وہاں اس کے مادی مفادات ہیں۔

ہمیں اس میں ایک فیصد بھی شک نہیں کہ کل کلاں چینی استعمار کا رویہ ہمارے ساتھ وہی ہوگا جو ہمارے ساتھ پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی نے تجارت کے نام پر کیا اور پھر برطانیہ عظمیٰ نے ہمیں رگیدا۔

اور ہم پھر حیرت کا اظہار کریں گے کہ امریکی غلامی کی گٹھڑی کے سارے بوجھ ابھی ہمارے سر پہ ہیں۔ دینی نوجوان آج بھی سرِعام اٹھا لیے جاتے ہیں۔ مدرسوں کے علماء کو آج بھی سپہ سالار کے دفتر میں بلا کر دستخط کروا لیے جاتے ہیں، امریکی فوج کو رسد آج بھی پاکستان کے ذریعے جا رہی ہے اور .... اور .... لیکن اس کے ساتھ چین کی مالا بلکہ طوق بھی ہم سینے پر سجائے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

تعلیم و تربیت

پروفیسر ملک محمد حسین

یکساں قومی نصاب - ایک بکھرتا خواب

۲۲ جولائی ۲۰۲۰ء بروز بدھ نیشنل کریکولم کونسل کا اجلاس اسلام آباد میں ہوا جس میں سنگل نیشنل کریکولم کی حتمی منظوری اور ذریعہ تعلیم (Medium of Instruction) کا فیصلہ ہونا تھا۔ یہ اُس نصابی مسودے کی منظوری کے لیے اجلاس بلایا گیا تھا جس کی منظوری وزیر اعظم جناب عمران خان سے ۱۹ مارچ ۲۰۲۰ء کو لی گئی تھی اور جس منظوری کے بعد وزیر اعظم نے اعلان کیا تھا کہ پری سکول یعنی نرسری سے پانچویں جماعت کا نیا نصاب پورے ملک کے سکولوں بشمول دینی مدارس مارچ ۲۰۲۱ء سے نافذ العمل ہوگا نیز مڈل سکولوں اور ثانوی سکولوں کا نصاب بالترتیب مارچ ۲۰۲۲ء اور مارچ ۲۰۲۳ء سے نافذ کیا جائے گا۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ مارچ ۲۰۲۰ء میں وزیر اعظم پاکستان سے نصاب کی منظوری کے اب چار ماہ بعد نیشنل کریکولم کونسل سے منظوری کا ڈرامہ رچایا گیا۔ کہا یہ گیا کہ درمیانی عرصے میں نصاب کی نوک پلک سنواری جاتی رہی ہے اور رنگ وروغن کی ڈیزائننگ کی جاتی رہی ہے۔ اس سے پہلے ۱۶ جولائی کو بقول وزارتِ وفاقی تعلیم ماہرین کا اجلاس بلایا گیا جس میں میڈیم آف انسٹرکشن یعنی ذریعہ تعلیم کا فیصلہ لینا تھا۔ وزارتِ وفاقی تعلیم نے اس مقصد کے لیے جو فریم ورک دیا وہ یہ تھا کہ پری سکول سے ہی ذریعہ تعلیم انگلش ہوگا تاہم اسلامیات کا مضمون اردو میں پڑھایا جائے گا نیز اسلامیات کے سوا باقی تمام مضامین کی درسی کتب بھی انگلش میں ہوں گی۔ ۱۶ مارچ کے اجلاس میں ۲۷ شرکاء نے انگلش بطور ذریعہ تعلیم کی مخالفت کی صرف بیکن ہاؤس سکولز کے نمائندے اور جناب جاوید جبار نے انگلش بطور ذریعہ تعلیم کی حمایت کی۔ تقریباً متفقہ مخالف رائے آنے کی وجہ سے وزارتِ وفاقی تعلیم کے ذمہ داران نے کوئی فیصلہ کیے بغیر اجلاس یہ کہتے ہوئے ختم کر دیا کہ اس مقصد کے لیے مزید مشاورتی اجلاس بلائے جائیں گے۔ لیکن مزید کوئی اجلاس بلانے کی بجائے ۲۲ جولائی کو سنگل نیشنل کریکولم کی نیشنل کریکولم کونسل سے منظوری کو ذریعہ تعلیم کے فیصلہ کے لیے اجلاس بلا لیا گیا۔ اس اجلاس میں ۲۵ لوگ ذاتی طور پر اجلاس میں شریک ہوئے اور باقی اراکین آن لائن سہولت کے ساتھ

اجلاس میں شامل تھے۔

اس اجلاس کے حوالے سے وزراتِ وفاقی تعلیم کی یہ چالاکی دیکھنے میں آئی کہ وفاق ہائے مدارس دینیہ کے نمائندوں کو بہت تاخیر سے اطلاع دی گئی۔انہیں نہ کوئی ایجنڈا بھیجا گیا اور نہ ہی کوئی ورکنگ پیپر۔مزید یہ کہ آن لائن زوم کے ذریعہ شرکت کے لیے کچھ اراکین کو لنک بھی فراہم نہیں کیا گیا اس خیال سے کہ نیشنل کریکولم کونسل کے باقی اراکین تو جناب وزیر تعلیم کے نیلی آنکھوں (Blue Eyed) والے پسندیدہ لوگ ہیں، محض دینی اداروں کے نمائندوں سے کسی تنقید یا مخالفت کا خدشہ ہوسکتا ہے۔لیکن اِدھر اُدھر سے دینی اداروں کے تمام نمائندوں کو لنک کی معلومات فراہم ہوگئیں اور سب کی شرکت ممکن ہوسکی۔ ٢٢ جولائی کے اجلاس میں بھی دلچسپ صورتِ حال رہی۔مفتی منیب الرحمن صاحب نے احتجاج ریکارڈ کرایا کہ انہیں نہ بروقت اطلاع دی گئی، نہ ایجنڈا فراہم کیا گیا اور نہ زیرغور نصاب کا مسودہ دیا گیا اس لیے وہ بے مقصد شرکت پسند نہیں کرتے لہٰذا انہیں نصابی مسودات فراہم کیے جائیں اور جائزے کے لیے ایک ماہ دیا جائے تو وہ نصاب پر غور کے لیے تیار ہیں۔یہ کہہ کر وہ اجلاس سے الگ ہو گئے۔

باقی شرکاء میں سے سندھ، بلوچستان، آزاد کشمیر کے وزراءتعلیم یا سیکرٹری تعلیم نے کہا کہ 18 ویں آئینی ترمیم کے بعد نصاب سازی صوبوں کا اختیار ہے تاہم وفاق کے اچھے کام کو وہ زیرغور لا سکتے ہیں لیکن اس کا فیصلہ صوبے کی کابینہ نے کرنا ہے نیز صوبے خود بھی اپنا نصاب اور درسی کتب تیار کررہے ہیں۔آزاد کشمیر کے وزیر تعلیم نے بھی کہا کہ وفاق مہربانی کرکے اپنے نصاب میں کشمیر کا بھی کہیں ذکر کردے تو اس کی ضرورت ہے۔خیبر پختون خواہ کے وزیر تعلیم کا کمنٹ تھا کہ ہمیں تو بتایا گیا تھا کہ نصاب کی منظوری کا یہ آخری اجلاس ہے لیکن شرکا، اجلاس کی تنقیدی آراء سننے کے بعد معلوم ہورہا ہے کہ یکساں قومی نصاب کے سلسلہ میں یہ تو پہلا اجلاس ہے۔شرکاء اجلاس میں سے اکثریت اگرچہ سیکولر، لبرل خیالات کی حامی اور وفاقی وزیر تعلیم کی پسندیدہ شخصیات تھیں لیکن ان کے تبصرے نیشنل کریکولم کونسل کے کیے گئے کام کے حق میں نظر نہیں آرہے تھے۔وفاقی وزیر تعلیم جناب شفقت محمود کا کہنا یہ تھا کہ ہم نیشنل کریکولم کونسل کے اراکین کی رائے اور تبصروں کی روشنی میں نصاب کی ٹیوننگ اور پالشنگ کریں گے۔اجلاس میں انگریزی بطور ذریعہ تعلیم کے خلاف بھی تقریباً اتفاق رائے تھا۔نتیجتاً پھر ١٦ جولائی والے اجلاس کی طرح ہوا کہ کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا اور وزیر وفاقی تعلیم نے اجلاس یہ کہہ کر ختم کردیا کہ مشاورت

جاری رہے گی۔

مذکورہ بالا دو اجلاسوں کی اجمالی روداد دینے کا مقصد یہ ہے کہ بتایا جائے کہ وزارتِ وفاقی تعلیم جو سنگل نیشنل کریکولم اور ایک قوم۔ ایک نصاب کا ڈھول پیٹ رہی تھی اس کی ہوا اکھڑتی نظر آ رہی ہے اور قومی سطح پر یہ جو مثبت امیج اُبھر رہا تھا کہ یکساں قومی نصاب کا دیرینہ قومی خواب تعبیر کے قریب ہے، اب یہ خواب منتشر ہوتا نظر آ رہا ہے۔

قوم کا یکساں نصاب تعلیم کا دیرینہ خواب کیوں منتشر ہوتا نظر آ رہا ہے اس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

۱۔ وزارتِ وفاقی تعلیم کے ارباب بست وکشاد کا واضح جھکاؤ سیکولر لبرل لابی کی طرف ہے جب کہ قوم کا مجموعی مزاج اسلامی نظریۂ حیات سے سرشار ہے۔ نیشنل کریکولم کونسل میں جناب وزیر تعلیم نے اپنی پسند کے لبرل سیکولر لوگ پورے دھڑلے کے ساتھ شامل کیے ہیں۔ اگر نیشنل کریکولم کونسل کے ارکان کی فہرست پر نظر ڈالی جائے تو چاروں صوبوں، آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کے بربنائے عہدہ نمائندوں کے علاوہ ۱۱ مرد حضرات اور ۱۰ خواتین اراکین ہیں۔ سب نامزد افراد کا عرف لبرل سیکولر ہونا ہے۔ دینی مدارس کے پانچ وفاقوں کے نمائندے البتہ علمائے کرام ہیں جو کہ ایک مجبوری تھی لیکن ان دینی اداروں کے نمائندوں کو اسلامیات کے نصاب کے علاوہ کہیں گھسنے کا موقع نہیں دیا گیا۔

۲۔ سنگل نیشنل کریکولم کے عنوان سے جو نصاب تیار کیا گیا ہے وہ ارکان نیشنل کریکولم کونسل کو مہیا نہیں کیا گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کو نصابی رپورٹس دستیاب تھیں اس لیے مذہبی لابی اور سیکولر لابی کی طرف سے سنجیدہ تنقید سامنے آ رہی ہے۔

۳۔ نصاب کے جائزے کے لیے ضروری ہے کہ ان ضروریات (Needs) کی فہرست دی جائے جو عصر حاضر میں نرسری سے بارہویں جماعت تک ہمارے طلبا کی نصابی ضروریات کے طور پر وفاقی وزارتِ تعلیم نے ترتیب دی ہیں تا کہ ان ضروریات کی روشنی میں نصاب تعلیم کی مناسبت کا جائزہ لیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وزارت نے ضروریات پر مبنی ایسی کوئی فہرست نہیں بنائی۔

۴۔ نرسری سے بارہویں تک پورے نصاب میں سے ایک طالب علم نے گزرنا ہوتا

ہے۔ یہ ایک تسلسل ہے جو نصاب میں نظر آنا چاہیے۔ گریڈوں یا جماعتوں کی تقسیم ہم اپنی انتظامی سہولت کے لیے کرتے ہیں۔ اس وقت صرف نرسری سے پانچویں جماعت تک کا نصاب دیا جارہا ہے۔ اس سے ہم کیسے معلوم ہو کہ اس کا مڈل جماعتوں اور ثانوی جماعتوں کے نصاب کے ساتھ عمودی ربط موجود ہے اور کسی قسم کا خلا نہیں ہے۔ یہ امر بھی نصاب کو ناقابل قبول بنانے کی ایک وجہ ہے۔

۵۔ پانچ سال سے ۱۶ سال کی عمر کی تعلیم قانون کے مطابق ہمارے ملک میں لازمی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم کے اس دورانیے میں طالب علم کو بالغ زندگی کامیابی سے گزارنے کے لیے تمام معلومات، تمام مہارتیں اور ضروری اخلاق و کردار اور رویے رسمی اور غیر رسمی تعلیم کے ذریعے مل جائیں خصوصاً آئین کے آرٹیکل 31 کی روشنی میں ۱۶ سال کی عمر تک تعلیم حاصل کر کے ہمارے طلبہ اور طالبات اس قابل ہو جائیں کہ وہ قرآن وسنت کے تقاضوں کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ اب محض پری سکول سے پانچویں جماعت تک کا نصاب دیکھ کر تو یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ مذکورہ نصاب لازمی تعلیم کے دورانیہ کے تقاضے پورا کرتا ہے یا نہیں۔

۶۔ سکول سطح کا نصابِ تعلیم ایک تسلسل کا تقاضا کرتا ہے جس میں ربط، توازن، تسلسل وسعت اور گہرائی کا بدرجہ اتم خیال رکھنا ضروری ہے اس لیے پوری دنیا کی یہ روایت ہے کہ نصاب جب بھی تیار ہوگا وہ پری سکول سے ثانوی/ اعلیٰ ثانوی درجے تک ایک ہی وقت میں تیار ہوگا البتہ اس کے نفاذ کے لیے درجہ وار ترتیب لگائی جاتی ہے۔ ٹکڑوں میں جب نصاب تیار ہوگا اس میں افقی اور عمودی ربط اور توازن کی کمزوری لازماً رہے گی۔ وفاقی وزارتِ تعلیم اجزاء میں نصاب سازی کر کے تعلیمی دنیا کے بنیادی اصول کی خلاف ورزی کر رہی ہے۔

۷۔ ماہرین کی طرف سے یہ اعتراض شدومد سے اٹھایا جارہا ہے کہ مذکورہ نصاب جو نظریۂ پاکستان، اسلامی نظریۂ حیات اور دستورِ پاکستان کی تعلیم سے متعلق آرٹیکلز کی روشنی میں تیار ہونا تھا وہ سیکولر، لبرل اقدار کی روشنی میں تشکیل دیا گیا ہے۔ نصاب کی بنیادی اسلامی اقدار یعنی توحید، رسالت، عبادت اور آخرت؛ اور معاملات و اخلاقیات کی ذیلی اقدار ہونا چاہیے تھیں لیکن مبینہ طور پر ان کی بنیاد سیکولر اساسی اقدار پر رکھی گئی ہے جو بالکل ناقابل قبول ہے۔

۸۔ رہ گئی بات میڈیم آف انسٹرکشن کی تو ۱۶ جولائی کو جو میٹنگ ہوئی تھی اس میں ایک

دو کو چھوڑ کر سب نے انگریزی کی مخالفت کی اور سفارش کی کہ پری سکول سے آخر تک سکول کی تعلیم اردو یا علاقائی زبان میں ہونی چاہیے۔ تقریباً متفقہ مخالفت آنے پر وزارتِ تعلیم کے ذمہ داران نے کوئی فیصلہ کیے بغیر میٹنگ ختم کردی۔ ماہرین کی آراء کی روشنی میں اور قومی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے پری سکول سے ثانوی سطح تک تمام مضامین اردو یا علاقائی زبان میں پڑھانے کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔

۹۔ تعلیم اب صوبائی معاملہ ہے۔ وزارتِ وفاقی تعلیم کس اختیار اور قانون کے تحت سنگل نیشنل کریکولم اور سنگل ٹیکسٹ بکس تمام صوبوں میں نافذ کرے گی جب کہ صوبوں کے اپنے کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈز اور صوبائی اسمبلیوں سے پاس کردہ اپنے قانون موجود ہیں نیز پرائیویٹ سیکٹر کے اشرافیہ کے سکولز جو بیرونی امتحانی بورڈز سے منسلک ہیں، اتچیسن کالج، کیڈٹ کالجز، آرمی پبلک سکولز، جو طاقتوروں کے ادارے ہیں وہ کب اور کس طرح سنگل نیشنل کریکولم کو لفٹ کرائیں گے۔ مذکورہ تمام اداروں میں سنگل نیشنل کریکولم نافذ کرائے بغیر اسے یکساں قومی نصاب کا درجہ کیسے حاصل ہوگا؟

۱۰۔ وزارتِ وفاقی تعلیم اور نیشنل کریکولم کونسل کے ذمہ داران نے نمبر ٹانگنے اور وزیر اعظم کے سامنے کارکردگی دکھانے کی خاطر عجلت میں سب کچھ کیا۔ جنرل مشرف دور کے ۲۰۰۶ء کے نصاب میں معمولی کمی بیشی کرکے اور ویلیوز ایجوکیشن کے نام پر ہیومنزم کے بے خدا فلسفے کی اقدار سمو کر ۲۰۰۶ء کے نصاب کو جو پہلے بھی اسلامی حلقوں کا مسترد کردہ نصاب تھا، مزید ناقابل قبول بنادیا۔ اب اس نصاب میں اسلامیات کا رُخ مغرب کی طرف ہے تو معاشرتی علوم، جنرل نالج اور انگلش کے نصاب کا رُخ مشرق کی طرف یعنی وہ مکمل سیکولر اور لبرل ہے۔

۱۱۔ یہ غلط اور سطحی دعویٰ کیا جارہا ہے کہ اس نصاب کو پورے ملک سے لیے گئے ۷۰ ماہرین نے لکھا ہے حالانکہ صرف ۲۰۰۶ء کے نصاب کو ریویو کرکے محض کچھ تبدیلیاں کی گئی ہیں جن کا ہم نے سطور بالا میں ذکر کیا ہے۔ اس طرح کے غلط دعوے بھی کسی علمی کام کے وقار اور قبولیت کو کم کردیتے ہیں۔

۱۲۔ نیشنل کریکولم کونسل کے ذمہ داران نے حقیقی سٹیک ہولڈرز کو نظر انداز کرکے اپنے

پسندیدہ نام نہاد ماہرین کو آگے رکھا ہے نیز شفافیت کی نفی کرتے ہوئے راز داری اور خفیہ پن سے کام لیا ہے جس سے شکوک وشبہات نے جنم لیا ہے جو یہ ہے کہ پچھلے چھ ماہ سے سنگل نیشنل کریکولم کا ڈھنڈورہ پیٹنے کے باوجود اُن میں سے کسی کو اس مقدس دستاویز کا علم نہیں جن کے بچوں کا تعلیمی مستقبل اس سے وابستہ ہے یا جنہوں نے نصاب کے اس مقدس مسودے کو نافذ کرنا ہے یعنی اساتذہ اور محکمہ ہائے تعلیم کے انتظامی ذمہ داران۔

۱۳۔ نصاب تعلیم ایک عوامی معاملہ ہے اور جب تک اسے عوامی قبولیت حاصل نہیں ہوتی تب تک محض انتظامی احکامات اور قانونی آلات کے ذریعے اسے نافذ نہیں کیا جا سکتا۔

۱۴۔ ذریعہ تعلیم ایک حساس مسئلہ ہے اور وزارتِ وفاقی تعلیم کے ذمہ دار اپنی ضد پوری کرنے پر تُلے رہیں گے تو خرابی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

۱۵۔ وزیر وفاقی تعلیم جناب شفقت محمود نے اپنے ٹویٹ میں یہ کہہ کر کہ سنگل نیشنل کریکولم صرف کور کریکولم (Core curriculum) ہے۔ اگر سکول اور سکول سسٹمز اس نصاب میں اضافہ کرنا چاہیں گے تو اُن کو اجازت ہوگی، یکساں قومی نصاب کے غبار سے خود ہی ہوا نکال دی ہے۔ یہ وہ یوٹرن (U turn) ہے جو اشرافیہ کے تعلیمی اداروں کے انکار اور دباؤ کی وجہ سے لیا گیا ہے۔

۱۶۔ آخری سوچ جو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ اصل ہدف دینی مدارس ہیں جن میں مقتدر قوتوں کے دباؤ کے تحت سیکولر نصاب رائج کیا جائے گا اور ان کا موجودہ دینی تشخص آہستہ آہستہ ختم کر دیا جائے گا۔ البتہ سرکاری ادارے تو شاید مذکورہ نصاب نافذ کریں گے بشرطیکہ صوبائی قوانین اور 18 ویں آئینی ترمیم آڑے نہ آئے اور صوبائی حکومتیں اپنا اختیار کسی قانون سازی کے ذریعے وفاق کو منتقل کر دیں۔

۱۷۔ اشرافیہ کے تعلیمی ادارے جن میں ایچیسن کالج، آرمی برن ہال کالج، رورٹس کالج، کیڈٹ کالجز، آرمی سکولز اور کالجز، بیکن ہاؤس سکولز، سٹی سکولز، روٹ سکول سسٹم، شوئیفات سکول، لاہور گرامر سکول اور اسی طرح کے دیگر درجنوں سکولز حکومت کا کوئی بھی نصاب اپنے ہاں نافذ نہیں کریں گے اس بہانے پر کہ وہ تو بیرونی امتحانی بورڈز سے منسلک

ہیں۔تو اگر حکومت یکساں قومی نصاب کے مسئلہ پر سنجیدہ ہے تو اسے بیرونی امتحانات پر پابندی اور بیرونی بورڈز کے تعلیمی سرٹیفکیٹس کی نامنظوری کی قانون سازی کرنی چاہیے جو ظاہر ہے ممکن نہیں ہوگی کیونکہ ان اداروں اور ان بیرونی امتحانات سے منسلک سیاستدانوں ، بیوروکریٹس ، ججوں ، جرنیلوں، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے نونہالوں کا روشن مستقبل وابستہ ہے اور بیگمات ایسا کبھی نہیں کرنے دیں گی اور اس طرح یکساں قومی نصاب صرف غریبوں پر ہی نافذ ہوگا۔

۱۸۔ آخر میں ہم دینی مدارس کے ارباب حل وعقد، علمائے کرام اور دینی جذبات واحساسات رکھنے والے عوامی طبقے کو متوجہ کرتے ہیں کہ سنگل نیشنل کریکولم کا سارا ڈھونگ حکومت کے سیکولر تعلیمی ایجنڈے کا حصہ ہے اور ہدف محض دینی ادارے ہیں۔ اس کے پیچھے امریکی کمیشن برائے مذہبی آزادی اور دیگر مغربی قوتیں ہیں۔ ملک کی اندرونی سیکولر لابی ایک طرف تو نیشنل کریکولم کونسل میں غالب حیثیت بلکہ فیصلہ کن حیثیت میں موجود ہے اور دوسری طرف سیکولر، لبرل اور کرسچین این جی اوز کے پلیٹ فارم سے بعض معروف خواتین وحضرات متحرک ہیں۔ ان این جی اوز کی ۳ مارچ ۲۰۲۰ء سیمینار جس کی صدارت جناب شفقت محمود نے کی اور پھر ۱۰ جولائی ۲۰۲۰ء کا Webinar اور ان دونوں اجلاسوں کی کاروائی سنگل نیشنل کریکولم کے لبرل سیکولر ایجنڈے کو سپورٹ کرتی ہے۔ ۳ مارچ کے سیمینار میں شرکاء کے مطالبے پر جناب شفقت محمود نے وعدہ کیا تھا کہ وہ سارا مواد نصاب سے خارج کر دیا جائے گا جس پر اقلیتوں کو اعتراض ہے نیز اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین نے اپنے ریمارکس میں کہا کہ ہم جہاد، محمود غزنوی اور صلاح الدین ایوبی کے ذکر کو نصاب سے خارج کر دیں گے۔ ۱۰ جولائی کے ویبی نار میں سکول، کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر ترجمہ کے ساتھ قرآن کی تدریس کو ہدف تنقید بنایا گیا۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر ہود بھائی نے روزنامہ ڈان میں جو مضمون لکھا ہے اس کا بڑا چرچا ہے جس میں موصوف نے نصاب میں قرآن کی تدریس کو نشانہ بنایا ہے۔

۱۹۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کے محب اسلام عوام، خصوصاً علمائے کرام، اساتذہ اور ماہرین تعلیم متحرک کردار ادا کرتے ہوئے تعلیم میں حکومت کے سیکولر ایجنڈے کو ناکام بنائیں۔

پس نوشت

پنجاب کے وزیر تعلیم ڈاکٹر مراد راس نے اپنے ایک ٹی وی انٹرویو میں یکساں قومی نصاب کے حوالے سے وضاحت کی ہے کہ یکساں قومی نصاب کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمام سکول صرف وفاق کا قومی نصاب ہی پڑھائیں گے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ وفاق نے ایک نصابی فریم ورک دیا ہے جس کے اندر رہ کر پڑھانا ہوگا، باقی ادارے اگر اس میں اضافہ کرنا چاہیں تو اس کی ان کو آزادی ہوگی نیز ایک ہی درسی کتاب بھی مطلوب نہیں ہے۔ ادارے نصابی فریم ورک میں رہتے ہوئے کوئی بھی درسی کتاب پڑھا سکتے ہیں یا کئی درسی کتابیں پڑھا سکتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ڈاکٹر مراد راس کی یہ وضاحت جناب شفقت محمود کی اس وضاحت کے تحت ہے کہ نیشنل سنگل کریکولم ایک کور کریکولم ہے اور ادارے اگر چاہیں تو اس میں اضافے کرنے میں آزاد ہیں۔ ان وضاحتوں سے یکساں قومی نصاب کا تصور تو تقریباً ختم ہی ہو گیا ہے۔

نوجوانوں سے خطاب

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبّر بھی کیا تو نے؟
وہ کیا گردوں تھا، تُو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا

تمدّن آفریں، خلاقِ آئینِ جہانداری
وہ صحرائے عرب، یعنی شتر بانوں کا گہوارا

غرض مَیں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہانبان و جہاں آرا

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اِک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارا

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

(اقبالؒ)

تعلیم و تربیت

محمد عاصم حفیظ

سکولوں کو جنسی ادارے بنانے والے سیکولر عناصر جو ریاست کی رٹ کو چیلنج کر رہے ہیں

استاد کی عظمت سے انکار نہیں لیکن بعض درندوں کی ''حیوانیت'' کو استاد کے مقدس پردے کی اوٹ میں نہیں چھپایا جا سکتا۔ لاہور کے ایلیٹ کلاس سکول میں سالوں سے جاری ایک گھناؤنا کھیل بے نقاب ہوا۔ سرگودھا میں سب سے بڑے نجی پنجاب کالجز نیٹ ورک کے ٹیچر نے طالبہ کو بہانے سے بلا کر بے آبرو کر دیا۔ یہ دو واقعات صرف وہ ہیں جو رپورٹ ہوئے، سوشل میڈیا تک پہنچے ورنہ تو یہ ایل جی ایس سکینڈل کی طرح سالوں سے جاری اس حیوانیت کو کون سامنے لاتا ہے؟۔ کہانیاں چھپ جاتی ہیں، کوئی شکایت کرے تو چپ کرا دیا جاتا ہے، ادارے معاملہ دبا دیتے ہیں۔

ان درندوں کو ان سب کی معاشی ضروریات کا بخوبی علم ہے، اسی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انہیں پتہ ہے کہ مہنگی فیسوں والے سکول و کالجز ان کا کیس اچھلنے نہیں دیں گے اور انہیں تحفظ مل ہی جائے گا۔ ایک پرائیوٹ ادارے سے نوکری چلی بھی گئی تو کوئی دوسرے دینے کو تیار ہوں گے۔ انہیں کریکٹر سے کیا غرض، بس کلاس چلانے والا ٹیچر چاہیے۔ وہ کلاس میں جو چاہے کرے انتظامیہ کو کیا لگے۔ انہیں تو فیس ملنی چاہیے۔ ایل جی ایس کا معاملہ کئی سال دبایا گیا، اب سوشل میڈیا پر پرانی طالبات بھی اظہار کر رہی ہیں کہ کس طرح انہیں کئی سال تک ہراساں کیا گیا۔ لڑکیاں چیخ رہی ہیں کہ ہم نے اپنی خاتون ٹیچرز کو بتایا تھا، ہم معاملہ انتظامیہ کے علم میں لائی تھیں لیکن کہیں شنوائی نہ ہوئی۔ ایک لڑکی کا کمنٹ پڑھیں تو کانپ اٹھیں گے ''ہمیں ایسے لباس پہننے پر مجبور کیا گیا جس سے ہم پرکشش لگیں، ہمارا یونیفارم ہی ایسا تھا''۔ اور یہی وجہ تھی کہ ہم ان درندوں کا شکار بنتی رہیں۔ سکول انتظامیہ اندرون و بیرون ملک تفریحی ٹور پر ان ہی درندوں کو نگہبان بنا کر بھیج دیتی۔ یہ وہاں پر ان طالبات کے سامنے شراب نوشی کرتے، انہیں شراب کی آفر کرتے، شراب پینے کے مقابلے کراتے اور شراب پلا کر طالبات کی عزتیں

پامال کرتے ۔ جی ہاں یہ سب ہوتا رہا تعلیمی تفریحی ٹورز میں ۔ کیا انتظامیہ تک خبر نہیں پہنچتی ہو گی ۔ یقینا ہاں ! لیکن سب چھپایا جاتا اور آوازوں کو دبایا جاتا ۔ ہم نصابی سرگرمیوں میں ڈرامے، ڈانس اور اداکاری کے نام پر ایسا ماحول بنایا جاتا کہ جس کا نتیجہ یہی نکل سکتا تھا۔ اس کا ایک بھیانک رخ خواتین ٹیچرز اور عملے کے ذریعے طالبات تک رسائی بھی تھا۔ جی ہاں اس نیٹ ورک میں لیڈی ٹیچرز اور عملے کی ارکان ملوث رہیں جو طالبات کو اس سرکل کا حصہ بناتیں جس کے ذریعے یہ درندے اپنی ہوس پوری کرتے ۔ اب اس پر کون یقین کرے گا ؟ اسے تو چھپانا ضروری ہی تھا کیونکہ پھر ''حقوق نسواں'' کی این جی اوز نے سڑکوں پر آجانا تھا کہ خواتین کا نام کیوں لیا گیا۔ کلاس میں شراب کے تذکرے، اپنے معاشقوں کے قصے اگر ایسا ہی ماحول ہو تو پھر نتائج یہی آسکتے ہیں جو کہ آگئے ۔ یہ سکینڈل لبرل وسیکولر این جی اوز اور اس طبقے کی شاہکار منافقت کا اظہار بھی تو ہے ۔ اگر کسی داڑھی والے پر، کسی مدرسے سے جڑا جھوٹا الزام بھی ہوتا تو انہوں نے اب تک سڑکوں پر چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لینا تھا۔ میڈیا پر ادارے کا نام بھی آنا تھا، بار بار استاد اور شاگرد کی تصاویر بھی دکھائی جاتیں ۔ فرزانہ باری، ماروی سرمد، جیلانی اور پتہ نہیں کون کون ''انسانی حقوق'' کی علمبردار چینلز کو انٹرویو دے دے کر اپنے گلے پھاڑ چکی ہوتیں ۔ غیر ملکی میڈیا پر سکینڈل کا چرچا ہوتا اور گرفتاریوں کی لائنیں ہوتیں ۔ فواد چوہدری کے دو چار انٹرویو آچکے ہوتے ۔ سارے مدرسے ہی بند کرانے کے مطالبات سامنے آچکے ہوتے ۔

لیکن اب کوئی نہیں بولے گا۔ میڈیا اتنا شرمیلا ہو چکا کہ اداروں کے نام تک لکھنے سے ڈرتا ہے۔ استاد نما درندوں کے نام لکھنے سے اجتناب کیا جا رہا ہے۔ معاملہ سوشل میڈیا پر نہ آتا تو اب تک دب بھی چکا ہوتا۔ کسی اخبار ٹی وی کا رپورٹر خصوصی نیوز پیکج نہیں تیار کر رہا۔ یہ ایشو کسی بڑے اینکر کے شو کا موضوع نہیں بن سکا۔ ایسا لگتا ہے کہ ہمارا میڈیا اتنا مودب ہو چکا کہ اسے دبانے میں جتا ہوا ہے۔ اسے کہتے ہیں لبرل وسیکولر طبقے کی منافقت کا شاہکار مظاہرہ۔ یہ این جی اوز اور ان کی نام نہاد لیڈرز جب میرا جسم میری مرضی اور خواتین کے حقوق اور ہراسگی کے خلاف سڑکوں پر ہوتی ہیں تو دراصل ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ مغربی طرز معاشرت لاگو کیا جائے۔ ان کی انسانی حقوق کی ساری جدوجہد دراصل ہماری معاشرتی روایات، خاندانی نظام اور

اسلامی شعائر کے خلاف ہی ہوتی ہے۔ جہاں ایسا کوئی معاملہ نہ ہوتو یہ قرنطینہ میں چلی جاتی ہیں بلکہ زیرزمین ہی گم سم ہوجاتی ہیں۔مختاراں مائی کا جھوٹا واقعہ ہو یا سوات میں کوڑے مارنے کی ڈرامہ ویڈیو۔ان کی چیخ وپکار آسمان تک سنی جاسکتی ہے لیکن ایلیٹ سکول کے معاملے پر انہیں سانپ سونگھ جاتا ہے۔ ہاں یہ پھر منہ پھلائے بھاشن دیتی نظر آئیں گی جب کسی دینی شخص، مدرسے یا مولوی سے جڑا کوئی معاملہ ہو۔اب یہ بیچارے کیا بتائیں کہ کیمبرج اور امریکہ، برطانیہ سے پڑھے ان استادنما درندوں نے یہ سب کیا ہے۔ان کا تو سارے کا سارا کاروبار ہی ٹھپ ہوجائے گا۔

استاد کی عظمت سے انکار نہیں۔لیکن ان استادنما درندوں کو کسی مقدس پردے میں نہیں چھپایا جاسکتا ہے۔اگر کارروائی کرنا ہی ہے تو پھر اس ماحول کو بدلنے کی بھی کوشش کی جائے جس کی نشاندہی وہ متاثرہ لڑکیاں کررہی ہیں اور جو اس سب درندگی کے رونما ہونے میں مدد کرتا ہے۔لباس، یونیفارم، ہم نصابی سرگرمیاں، کلاس کا ماحول، تفریحی ٹورز، ٹیچنگ سے ہٹ کر غیر ضروری اختلاط اور لیڈیز و دیگر عملے کا بھیانک کردار۔اس سب کو بھی دیکھنے کی ضرورت ہے۔ بعض لڑکیوں نے اس سکینڈل کو بے نقاب کیا لیکن سکولز انتظامیہ کو خود بھی اپنی سوچ بدلنے کی ضرورت ہے۔اگر جانتے بوجھتے آنکھیں بند رکھیں گے تو پھر یونہیں بدنامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ہمارے معاشرے کی بقا شرم وحیا اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بنی روایات میں ہیں۔ اسی سے ہم ایسے شرمناک واقعات سے بچ سکتے ہیں۔ درسگاہوں کو رقص گاہیں اور مادر پدر آزاد ماحول بنانے کی بجائے تعلیمی سرگرمیوں پر توجہ دینی چاہیے۔ اس سے ہم یقینا ایسے واقعات سے بچ سکتے ہیں۔اور ایک سبق یہ بھی کہ مغرب زدہ این جی اوز اور لبرل وسیکولر طبقہ صرف اپنے فنڈڈ ایشوز اور مقاصد کے تحت ہی ایکٹو ہوتے ہیں، انہیں معاشرتی اصلاح اور حقیقی ایشوز کو حل کرنے سے کوئی غرض نہیں اس لیے بعض مخصوص مواقع پر ان کی اٹھک بیٹھک اور چیخ و پکار سے متاثر ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

[یاد رہے کہ حکومت نے تحقیقات کے لیے کمیٹی بنائی لیکن سکول نے اس کے ساتھ تعاون سے انکار کردیا۔گویا حکومت کی رٹ چیلنج کی لیکن وہ خاموش ہوگئی۔کیا جامعہ حفصہ میں بھی ایسا ہوسکتا تھا؟]

تعلیم و تربیت

شاہ نواز فاروقی

قرآن کی تعلیم پر تین سیکولر کالم نگاروں کا حملہ

لیکن حکومت بھی خاموش ہے اور دینی عناصر بھی

پاکستان کے سیکولر کالم نگاروں کو اسلام پر حملہ کرنا ہوتا ہے تو وہ اسلام پر براہِ راست حملہ نہیں کرتے۔ وہ علما، مولویوں اور ملاؤں کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ مگر پاکستان میں سیکولر اور لبرل لکھنے والوں کی جرأت اب اتنی بڑھ چکی ہے کہ انہوں نے براہِ راست اسلام پر حملہ کیا ہے۔

اس سنگین حملے کا پس منظر یہ ہے کہ گورنر پنجاب نے پنجاب کی جامعات میں قرآن مجید کو ترجمے سے پڑھنا لازم قرار دے دیا ہے۔ قرآن کو ترجمے سے پڑھے بغیر کسی کو ڈگری نہیں مل سکے گی۔ مگر قرآن کو پنجاب کی جامعات کا حصہ بنانے کا عمل تین سیکولر کالم نگاروں کو اتنا بُرا لگا ہے کہ انہوں نے اس عمل پر اپنے اپنے حوالے سے بھرپور حملہ کیا ہے۔

ایاز امیر نے اس سلسلے میں کیا لکھتے ہیں:

''شاعرِ مشرق نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری جرمنی کی ہائیڈل برگ یونیورسٹی سے حاصل کی۔ قائداعظم نے بار ایٹ لاء لنکنز اِن (Lincons Inn) سے کیا۔ اپنی اپنی ڈگریاں حاصل کرنے سے پہلے نہ مفکرِ مسلمانانِ ہند اور نہ ہی معمارِ پاکستان پہ ایسی کوئی شرط عائد ہوئی کہ وہ قرآن پاک کی ناظرہ اور ترجمے کی مہارت حاصل کریں۔

دونوں کی خوش قسمتی ہی سمجھی جانی چاہیے کہ وہ گورنر پنجاب چودھری محمد سرور کے عہد میں طالب علم نہ تھے۔ ورنہ ممکن ہے یوں کرنا پڑتا۔ شاعرِ مشرق کو شاید مشکل نہ پیش آتی لیکن قائد اعظم کو، جن کی ساری تعلیم انگریزی میں تھی، تھوڑی بہت دِقت ضرور ہوتی۔

قائداعظم سے بڑا محافظ مسلمانانِ ہند کا کوئی نہیں رہا۔ اُن کے بغیر برصغیر میں ایک مسلم ریاست کا قیام ناممکن ہوتا لیکن قائداعظم نے اپنی درخشاں زندگی میں عملی کام کیا، شوشوں کا سہارا کبھی نہ لیا۔ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے الگ ریاست قائم کر دی لیکن اُن کے اقدامات

دیکھیے، اُن کی تمام کی تمام تقاریر چھان ڈالیے، کوئی فضول کا نعرہ نہیں ملے گا لیکن اُن کی وجہ سے بننے والے ملک کی جو پاکستانی قوم کہلاتی ہے اُس کی تو زندگی ہی فقط نعروں اور شعبدہ بازی پہ مبنی ہے۔

جہاں سے شاعرِ مشرق اور معمارِ پاکستان فارغ التحصیل ہوئے وہاں اگر یہ کہا جائے کہ ڈگریاں تب ملیں گی جب آپ انجیل سے چند اوراق پڑھیں گے اور اُن کا مفہوم بیان کر سکیں گے تو قہقہہ ایسا اُٹھے گا کہ اُس کی گونج ساتویں آسمان تک پہنچ جائے لیکن یہاں بغیر کسی چوں و چرا کے چھ سات یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں کا اجلاس منعقد کیا جاتا ہے اور فیصلہ ہوتا ہے کہ کالج اور یونیورسٹی کی ڈگریاں تب تک نہیں دی جائیں گی جب تک طالب علم قرآن پاک کو بطور مضمون اختیار نہیں کریں گے۔(روزنامہ دنیا 20 جون 2020ء)

ایاز امیر نے قرآن کی تعلیم کا جس طرح مذاق اُڑایا ہے وہ آپ کے سامنے ہے مگر غازی صلاح الدین نے بھی دی نیوز کراچی میں شائع ہونے والے اپنے کالم میں قرآن کی تعلیم کا مذاق اُڑانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی، انہوں نے لکھا:

ترجمہ: ’’یقین کریں یا نہ کریں پنجاب کے گورنر نے ایک نوٹیفکیشن کے ذریعے صوبے بھر کی جامعات میں قرآن کو ترجمے کے ساتھ پڑھنا لازمی قرار دے دیا ہے۔ اس کے بغیر کسی کو ڈگری نہیں مل سکے گی۔ مدارس میں جدید مضامین کی شمولیت کو تو آپ بھول ہی جائیے‘‘۔

آئی اے رحمن نے روزنامہ ڈان میں قرآن کی تعلیم پر حملے کے لیے جو کالم لکھا اس کا عنوان ہی توہین آمیز ہے ’Creeping Islam‘ یعنی ’رینگتا ہوا اسلام‘۔ آئی اے رحمن نے اپنے کالم میں لکھا:

’’یہ بات عجیب محسوس ہوتی ہے کہ ضیاء الحق اور اس کی جگہ لینے والوں نے چالیس سال تک معاشرے میں اپنی طرز کا اسلام مسلط کرنے کے بعد ایک قانون بنا ڈالا ہے جس کے تحت نوجوانوں کو قرآن پڑھنے پر مائل کیا جائے گا۔ اسلام ایک رضا کارانہ مذہب ہے، پنجاب کی حکومت کو یہ خیال کہاں سے آیا کہ ان طلبہ کو سزا دی جائے گی جو قرآن نہیں پڑھیں گے۔ علما خود اس بات کا جائزہ لیں کہ کیا پنجاب حکومت کا اقدام ’’دین میں کوئی جبر نہیں ہے‘‘ کے مذہبی

اصول کے مطابق ہے؟ (ڈان کراچی 25 جون 2020ء)

سوال یہ ہے کہ بات کہاں سے شروع کی جائے؟

ایاز امیر کے کالم کے مندرجات سے یہ تاثر پیدا ہوا ہے کہ اقبال اور قائداعظم صرف جدید تعلیم سے آراستہ تھے۔ قرآن یا اس کے علم سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اقبال تو شاید قرآن پڑھ بھی لیتے مگر قائداعظم کو قرآن پڑھتے ہوئے بڑی مشکل ہوتی۔

قارئین کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ایاز امیر نے جس اقبال اور جس قائداعظم کا ذکر کیا ہے وہ سیکولر ایاز امیر کے اقبال اور قائداعظم ہیں۔ 'حقیقی اقبال' اور 'حقیقی قائداعظم' نہیں۔ اقبال کو قرآن سے عشق تھا اور ان کی شاعری قرآن کی تعلیمات میں ڈوبی ہوئی شاعری ہے۔

ان حقائق کے باوجود ایاز امیر 'تاثر' دینا چاہ رہے ہیں کہ اقبال کی ساری دلچسپی جدید مغربی تعلیم سے تھی۔ قرآن سے انہیں کچھ لینا دینا نہیں تھا۔ ہر پڑھا لکھا شخص جانتا ہے کہ زندگی کے آخری حصے میں اقبال کا یہ حال ہو گیا تھا کہ وہ قرآن کے سوا کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور جب بھی انہیں کوئی مسئلہ درپیش ہوتا وہ رہنمائی کے لیے قرآن اُٹھا لیتے تھے۔

ایاز امیر نے اقبال کو تو کچھ نہ کچھ 'مسلمان' مان بھی لیا مگر قائداعظم کو تو انہوں نے تقریباً 'کافر' بنا کر کھڑا کر دیا۔ ایک ایسا آدمی جس کا قرآن سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوسکتا۔ پاکستان کے سیکولر اور لبرل عناصر کا خمیر لاعلمی، جہالت، اسلام دشمنی اور ان چیزوں پر فخر سے اُٹھا ہے۔ چنانچہ قائداعظم کے سلسلے میں ایاز امیر لاعلمی کا بھی شکار ہیں اور جہالت کا بھی۔ انہوں نے بچپن میں سیکولر اور لبرل شیاطین سے قائداعظم کے بارے میں سن لیا ہوگا کہ وہ قرآن نہیں پڑھتے تھے حالانکہ تاریخی شہادتوں سے ثابت ہے کہ وہ تواتر کے ساتھ قرآن کا انگریزی ترجمہ پڑھا کرتے تھے۔

قائداعظم کے قرآن کے ساتھ گہرے تعلق کو ثابت کرنے کے لیے ہم کسی مذہبی اسکالر کی سند بھی لا سکتے ہیں مگر بہتر ہے کہ اس سلسلے میں ایک بڑی حد تک ایماندار سیکولر محقق خاتون سلینا کریم سے رجوع کیا جائے۔ سلینا کریم نے قائداعظم پر ایک ضخیم کتاب

"Secular Jinnah and Pakistan:What The Nation Doesn't

Know"

لکھی ہوئی ہے۔ چودہ ابواب پر مشتمل اس کتاب کے ایک پورے باب کا عنوان ہے: 'The Quran and Jinnah's Speeches' یعنی قرآن اور جناح کی تقاریر۔ اس باب میں سلینا کریم نے سات موضوعات پر قائداعظم کی تقاریر کے اقتباسات پیش کیے ہیں اور پھر وہ قرآنی آیات درج کی ہیں جن سے قائداعظم کے سات بیانات برآمد ہوئے ہیں۔ اس باب کے خاتمے پر سلینا کریم جس ''Conclusion'' تک پہنچتی ہیں وہ یہ ہے:

''یہ مثالیں یہ ظاہر کرنے کے لیے کافی ہیں کہ جناح کس پر جوش طریقے سے قرآنی اصولوں کی لفظی اور معنوی اعتبار سے پاسداری کرتے تھے۔ وہ خاص طور پر قرآن کے اصول توحید کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے''۔

جیسا کہ ظاہر ہے یہ کسی ''اسلامسٹ'' کی رائے نہیں بلکہ یہ ایک سیکولر اسکالر کی رائے ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق یہ سیکولر اسکالر آج کل اس بات پر تحقیق کر رہی ہیں کہ قائداعظم کی تقاریر کی جڑیں کن کن احادیث میں پیوست ہیں۔

ایاز امیر نے لکھا ہے کہ مغرب کی جن جامعات سے اقبال اور قائداعظم نے تعلیم حاصل کی ان جامعات میں اگر کسی طالب علم کو انجیل کی آیات پڑھنے کے لیے کہا جاتا تو وہاں قہقہہ بلند ہوتا۔ ایاز امیر کا خیال غلط نہیں۔ مغرب کے بے خدا، لامذہب، رسالت اور وحی بیزار معاشرے میں ایسا ہی ہوگا لیکن کیا پاکستانی معاشرہ بھی خدا کا انکار کر چکا ہے، مذہب سے لاتعلق ہو چکا ہے، رسالت اور وحی کا منکر ہو چکا ہے؟ نہیں، تو پھر ایاز امیر اور ان جیسے سیکولر اور لبرل جہلا پنجاب کی جامعات میں قرآن کی تعلیم کا مذاق کیوں اُڑا رہے ہیں؟

غازی صلاح الدین نے قرآن کی تعلیم پر Believe it or not کے الفاظ اس طرح لکھے ہیں جیسے ویٹی کن سٹی میں نفاذ اسلام کر دیا گیا ہو۔ ارے بھائی! یہ ابھی تک اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے، یہاں تعلیمی اداروں میں قرآن نہیں تو کیا بائبل اور گیتا پڑھائی جائے گی؟ ہمیں یقین ہے کہ پنجاب کی جامعات میں اگر بائبل اور گیتا کی تعلیم لازمی قرار دے دی گئی ہوتی تو غازی صلاح الدین خوشی سے بے ہوش ہو جاتے۔ البتہ قرآن کی تعلیم سے ان کا رنگ فق ہو گیا ہے۔

آئی اے رحمن کی دیدہ دلیری ملاحظہ کیجیے انہوں نے قرآن کی تعلیم کو ''سزا'' ہی بنا دیا۔

پاکستان کے سیکولر اور لبرل لوگوں کے لیے سیکولرازم اور لبرل ازم کی تعلیم ''جزا'' ہے اور قرآن کی تعلیم سزا ہے۔

آئی اے رحمن کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے قرآن کی آیت ''دین میں کوئی جبر نہیں'' تک کو اپنے ناپاک مقصد کے لیے استعمال کر ڈالا۔ ارے بھائی دین میں کوئی جبر نہیں کا تعلق اس بات سے ہے کہ اسلام میں کسی غیر مسلم کو جبر کے تحت مشرف بہ اسلام نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ ایک اسلامی ریاست میں قرآن وسنت کی تعلیم جبر نہیں عین رحمت ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ پاکستان کے سیکولر اور لبرل عناصر سرعام قرآن وسنت کے خلاف صف آرا ہو گئے ہیں، مگر نہ ریاست کو اس بات کی فکر ہے، نہ علما اور مذہبی طبقات اس کا نوٹس لے رہے ہیں۔

[ان کے علاوہ حال ہی میں ڈاکٹر پرویز ہود بھائی نے 'ڈان' میں قرآن کی تعلیم کے خلاف اور نصاب میں اسلامی لوازمہ کی موجودگی پر شدید اعتراضات کیے ہیں جنہیں ردّ کیا جانا چاہیے]۔

مردِ مومن

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں، کِردار میں، اللہ کی بُرہان!
قہاری و غفّاری و قدّوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمان
جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم
دریاؤں کے دِل جس سے دہل جائیں، وہ طوفان
(اقبالؒ)

تعلیم وتربیت ادارہ

پاکستانی یونیورسٹیوں میں سیکولرزم کا پرچار

ڈاکٹر پرویز ہود بھائی کی برطرفی

فورمن کرسچین کالج (ایف سی کالج) پاکستان کے شہر لاہور کا ایک بڑا نجی تعلیمی ادارہ ہے جہاں سے پرویز ہود بھائی کو ان کے اسلام اور پاکستان دشمن خیالات کی وجہ سے برطرف کر دیا گیا۔ وہ کالج کے طلبہ تعلیم دے رہے تھے کہ''دوقومی نظریے کی کوئی اہمیت نہیں' نظریات سے بالاتر ہوکر اور مذہب سے دور رہ کر ہی ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا جاسکتا ہے''۔اس سے قبل پرویز ہود بھائی کو ان کے انہی خیالات کی وجہ سے''لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز (لمز) سے بھی برطرف کر دیا گیا تھا لیکن کمال کی بات یہ ہے کہ ان دونوں اداروں سے پرویز ہود بھائی کی برطرفی میں ان کالجوں کی انتظامیہ کا کوئی کردار نہیں۔اس کے برعکس دونوں کالجوں کے طلبہ اور طالبات نے ان کے خلاف شکایات کی تھیں کہ موصوف طلبہ اور طالبات کو اسلام، پاکستان ونظریۂ پاکستان کے خلاف لیکچر بڑے سخت الفاظ میں دیتے ہیں اور ان کی مخالفت کرنے والے یا ان کے لیکچر کے خلاف بولنے والے طلبہ اور طالبات سے سختی سے پیش آتے اور ان کو یہ دھمکی بھی دیتے ہیں کہ وہ طاقت ور لابی کے آدمی ہیں اور ان کو کالج سے نکلوادیں گے۔ ہماری اطلاعات کے مطابق دونوں کالجوں کے طلبہ اور طالبات نے نچلی سطح کی انتظامیہ سے ان کی شکایت بھی کی تھی لیکن ان کی شنوائی نہیں ہوئی جس کے بعد اعلیٰ سطح پر شکایت اور ان کے لیکچرار کو ثبوت کے طور پر بھی پیش کیا گیا جس کے بعد انکوائری مکمل ہونے کے بعد ان کی اور ان کی ساتھی لیکچرر کی برطرفی عمل میں آئی۔

پرویز ہود بھائی کی برطرفی کے فوری بعد ہمارے چینلز کو ایسا غم لگا جس پر وہ چلّا اُٹھے اور ان کو پاکستان کا ہیرو بنانے میں رات دن ایک کرنے میں مصروف ہوگئے۔ میں نے ان کو آدھے درجن سے زائد چینلز میں اپنی صفائی پیش کرتے اور کالج کی انتظامیہ کو غلط ثابت کرتے ہوئے سنا اور دیکھا۔

ہود بھائی کی پہنچ بہت اُوپر تک ہے۔ ان کے ناپاک خیالات کی وجہ سے حکومت اور سیکولر نام نہاد سول سوسائٹی میں ان کا بہت اعلیٰ مقام بنایا گیا تھا۔ موصوف نے ۱۳ اقساط پر مبنی اردو زبان میں ایک دستاویزی سیریز کا پاکستان ٹیلی وژن پر آغاز کیا جس کا موضوع پاکستان میں تعلیم کا مسئلہ تھا۔ اس پروگرام میں انہوں نے اسلام، پاکستان اور اسلامی تعلیم کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ پاکستان ٹیلی وژن پر پرویز ہود بھائی نے دو دستاویزی فلمیں سائنس کی اشاعت اور سائنسی سوچ اور طرزِ فکر کے حوالے سے بھی نشر کیں۔ اس کے علاوہ وہ ملک کے مختلف ایف ایم پر سائنس کی اشاعت اور سائنسی سوچ اور اسلام اور اس کے ماننے والوں اور علماء کرام کے بارے میں ان کے منفی خیالات پیش کرتے رہتے ہیں۔ ۲۰۰۴ء میں انہوں نے Pakistan India, Kashmir:Crossing the Lines کے عنوان سے ڈاکٹر ضیاء میاں کے ساتھ ایک دستاویزی فلم بنائی۔ ہود بھائی کا کہنا ہے کہ ان فلموں کا بنیادی مقصد تعلیمی مسائل کو اجاگر کرنا اور ان کا حل تلاش کرنا تھا۔ لیکن اصل میں ان فلموں کی مدد سے یہ بتانا مقصود تھا کہ ہم کو ترقی کے لیے مذہبی تعلیم کو اپنے نصاب سے الگ کرنا ہوگا تاکہ ان جیسے اسلام اور پاکستان دشمن کی باتوں سے پاکستان کو بھوت بنگلوں میں تبدیل کردیا جائے۔

اپنی دستاویزی فلموں میں ڈاکٹر پرویز ہود بھائی نے پاکستان کے دستور میں ختم نبوت کے قوانین، جوہری منصوبوں اور ایٹمی ہتھیاروں پر شدید تنقید کی ہے اور ہر جگہ کرتے رہتے ہیں۔ ان کی دستاویزی فلموں میں یہ دکھایا گیا کہ امریکا اور ناٹو فورسز افغانستان میں افغانوں کی مدد کررہی ہیں اور انہوں نے افغانستان کی معاشی اور معاشرتی زندگی کے لیے کئی اچھے اقدام کیے ہیں لیکن اس کے برعکس کرپشن اور بغاوت کے عناصر پیدا کیے ہیں جن کا کافی حد تک نقصان پاکستان کو بھی ہوا ہے۔

پرویز ہود بھائی نے ہائر ایجوکیشن کمیشن کی اس حکمتِ عملی پر کڑی تنقید کی کہ ایچ ای سی کا مقصد ”کوالٹی کے بجائے بڑی تعداد بنانا ہے“۔ ان کا کہنا تھا کہ اس قسم کی پالیسیاں جن کے ذریعے ریسرچ پیپرز کے مصنفین اور پی ایچ ڈی سپروائزرز کو کیش اور پروموشن کے ثمر عطا ہوتے ہیں، درحقیقت پاکستانی یونیورسٹیوں کو اصل معلوماتی اور فائدہ مند ریسرچ پیپرز کی فراہمی کے بجائے ردی پیپرز اور بے کار پی ایچ ڈی پیدا کرنے کی فیکٹریاں بن گئی ہیں۔

۲۰۰۳ء ہی سے جب ایچ ای سی ڈاکٹر عطاء الرحمن کی سربراہی میں چل رہی تھی، پرویز ہود بھائی نے اس پر تنقید کی اس سلسلے میں پاکستانی نیوز میڈیا پر بھی مختلف گرما گرم مباحثے شروع ہو گئے۔

۲۰۰۹ء میں ایچ ای سی سے متعلق ڈاکٹر عطاء الرحمن (آرگینک کیمسٹ) اور ڈاکٹر پرویز ہود بھائی کے معاملات تصادم تک آ پہنچے۔ یہاں تک کہ امریکا کے ایک جرنل Nature نے ایچ ای سی کی کامیابیوں اور ناکامیوں پر ایک جامع مضمون چھاپ دیا۔ پرویز ہود بھائی نے اس آرٹیکل کے خلاف شکایت کی کہ اس میں وہ اصل بات لکھنا ہی بھول گئے جو پرویز ہود بھائی نے بنیادی طور پر کہی تھی کہ ''کروڑوں روپے بے بنیاد اور فضول میگا پروجیکٹس پر ضائع کیے جا رہے ہیں''۔ ایچ ای سی کے ان مباحثوں میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان، عادل نجم اور عطاء الرحمن نے ایچ ای سی کی حمایت کی اور ساتھ ہی پرویز ہود بھائی کی تنقید کے چند نکات کو تسلیم بھی کیا۔

پرویز ہود بھائی ایچ ای سی کا سربراہ بننے کے لیے پرویز مشرف کے اِرد گرد گھومتے رہے لیکن پرویز مشرف کو ان کے خیالات کے بارے میں علم ہوا تو انہوں نے ایچ ای سی کا چیئرمین عطا الرحمن کو بنا دیا جس کے بعد پرویز ہود نے ایچ ای سی کی انتظامی قابلیت پر سوال اٹھایا اور ایچ ای سی کی کامرانیوں کو مایوس کن قرار دیا۔ ہود بھائی ایچ ای سی کی افادیت کے خلاف دلائل دیتے ہیں، UESTP-France کے کراچی میں منعقدہ کنونشن کے سلسلے میں شعبے کے 450 تا 600 کے ملازمین میں سے فرانس کا نہ تو کوئی شعبہ نہ ہی انتظامی عملے میں سے کوئی آیا۔ ٹیلی وژن پر مباحثے میں پرویز ہود نے ان شماریات پر سوال اٹھایا جن کی بنیاد پر ایچ ای سی کی سرگرمیوں کو مثبت گردانا جاتا ہے۔ یہ مباحثہ ہود اور ایچ ای سی کے چیئرمین عطاء الرحمن کے درمیان ہوا۔

یہ اور ان جیسی بے پر کی باتوں سے ہود بھائی کے خیالات واضح ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ دستور میں ختم نبوت، پاکستان اور نظریہ پاکستان اور فوجی بجٹ میں اضافے کے مخالفین کو حکومتی اور میڈیا کی سطح پر بے پناہ پزیرائی اور اہمیت دی جاتی ہے۔ اس کے برعکس دستور میں ختم نبوت، پاکستان اور نظریہ پاکستان اور فوجی بجٹ میں اضافے کے حامیوں کو حکومتوں اور بڑی بڑی درس گاہوں اور سرکاری اور نجی چینلز سے دور رکھا جاتا ہے۔

تفہیم دین

ڈاکٹر محمد امین

حقیقتِ دین

دین کا مطلب کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

❁ ﴿اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ﴾ [المائدہ ۵:۳]

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام دین کے طور پر پسند کر لیا۔''

❁ ﴿لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ ۝۶﴾ [الکافرون ۱۰۹:۶]

''تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔''

❁ ﴿مَا کَانَ لِیَاۡخُذَ اَخَاهُ فِیۡ دِیۡنِ الۡمَلِکِ﴾ [یوسف ۱۲:۷۶]

''ممکن نہیں تھا کہ وہ بادشاہ کے دین (قانون) کے مطابق اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھ لیتے۔''

انسان جب دنیا میں آ کر ہوش سنبھالتا ہے تو اس کے سامنے کچھ بنیادی سوالات آ کھڑے ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ خود بخود آ گیا ہے یا کسی نے اسے بھیجا ہے؟ وہ اس زمین پر زندگی کیسے گزارے؟ دوسرے انسانوں اور مخلوق سے معاملہ کن اصولوں اور بنیادوں پر کرے؟ اپنی مرضی سے یہ اصول طے کرے یا اسے پیدا کرنے والے نے اگر اسے کچھ اصول دیے ہیں تو ان کی پیروی کرے؟ ان سوالوں کا جو جواب وہ طے کرے وہ گویا اس کا 'دین' ہے۔ دوسرے لفظوں میں دین کہتے ہیں اس طرز فکر اور طرز عمل کو اس نظام حیات کو، ان اصول وضوابط کو (اور ان اصول وضوابط کے مجموعے کو) جن کے مطابق انسان دنیا میں زندگی گزارتا ہے۔ یہ اصول وضوابط انسان کے اپنے وضع کردہ بھی ہو سکتے ہیں اور اللہ کے

عطا کردہ بھی۔ اگر یہ اصول انسان کے اپنے وضع کردہ ہوں تو ہم کہیں گے کہ یہ دین انسان ہے، یہ دین غیر اللہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہوں تو ہم کہیں گے کہ یہ دین اللہ ہے، یہ دین سماوی ہے۔

اوپر کی آیات میں یہی بات کہی گئی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جس بادشاہ کے ساتھ کام کرتے تھے اس کے ملکی قانون کے مطابق وہ اپنے بھائی کو چوری کے الزام میں اپنے پاس محسوس نہیں رکھ سکتے تھے۔ بادشاہ کے اس قانون کو قرآن حکیم ''دین الملک'' یعنی اس بادشاہ کا دین کہتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ سکھایا ہے کہ تم کفار سے کمپرومائز ہرگز نہ کرو بلکہ ان سے کہو کہ میں تو اللہ کے دیے ہوئے دین کے مطابق ہی زندگی گزاروں گا، تمہارے دین کو قبول نہ کروں گا، تم اپنا دین اپنے پاس رکھو۔ اور تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیغمبر! آج میں نے اپنی نعمت کی تم پر تکمیل کردی ہے اور تمہیں عطا کیے گئے دین کو مکمل کردیا ہے۔ ان آیات سے ظاہر ہے کہ دین ''دین اللہ'' بھی ہوسکتا ہے اور ''دین غیر اللہ بھی''۔

دین ''اسلام'' سے کیا مراد ہے؟

❁ ﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ ۗ﴾ [آل عمران ۳:۱۹]

''بے شک دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کے نزدیک صحیح دین صرف 'اسلام' ہے۔

اسلام کا کیا مطلب ہے؟

دیکھیے! اوپر ہم نے عرض کیا تھا کہ دین ''دین اللہ'' بھی ہوسکتا ہے اور دین غیر اللہ بھی۔ تو اللہ کے دین کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو سب کچھ مانا جائے۔ اس کی کبریائی اور عظمت کا اعلان کیا جائے۔ اس کی عبادت کی جائے اور اس کی اطاعت کی جائے۔ نہیں صرف اسی کی عبادت کی جائے، صرف اس کی اطاعت کی جائے اور صرف اسی سے مانگا جائے۔ کیونکہ قرآن حکیم نے ابتداء ہی میں سورۃ الفاتحہ میں یہ بات ہمیں سکھادی کہ کہو [illegible]

اے اللہ جی! ہم صرف آپ کی عبادت کریں گے اور صرف آپ ہی سے مدد مانگیں گے۔ (۱)

تو خیر یہ بات ضمناً آ گئی ورنہ ہم یہ ذکر کر رہے تھے کہ اسلام کا مطلب ہے مان لینا، تسلیم کر لینا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی بات بلا چوں و چرا، بلا شروط و حدود مان لینا۔ اپنی مرضی سے اللہ کی مرضی کا تابع ہو جانا اور اپنی مرضی چھوڑ دینا کیونکہ اللہ خالق و مالک و رازق ہے اور انسان اس کی حقیر مخلوق اور عبد ہے جیسا کہ قرآن حکیم نے بتایا ہے کہ:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ [الذاریات ۵۱:۵۶]

”اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔“

اس آیت کریمہ سے دو باتیں واضح ہوئیں۔ ایک یہ کہ جن و انس اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ’عبد‘ پیدا کیا ہے تا کہ وہ اس کی عبادت کریں اور جیسا کہ ہم نے پہلے کہا کہ عبادت میں پرستش و اطاعت دونوں شامل ہیں۔ تو ”عبد“ خود مختار نہیں ہو سکتا، عبد اپنی مرضی نہیں کر سکتا۔ وہ تو عبد ہے، اپنے آقا کا غلام اور خادم ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ آقا کی بات مانے، اس کے حکم کو مقدم جانے، اس کا تابعدار رہے، نہ کہ اپنی مرضی کرے، اپنی من مانی کرے۔

تو واضح ہو گیا کہ اسلام وہ طرز فکر ہے، وہ طرز عمل ہے، زندگی گزارنے کا وہ طریقہ ہے،

---

(۱) یہاں یہ نکتہ ذہن میں رہے کہ عربی کے لفظ ’عبادت‘ کے مفہوم میں عبادت و اطاعت دونوں شامل ہیں۔ اب عبادت تو ہم صرف ایک اللہ ہی کی کرتے ہیں اور صرف اسی کی کرنی چاہیے۔ اور اطاعت بھی درحقیقت صرف اللہ ہی کی روا ہے لیکن جب ہم والدین کی اطاعت کرتے ہیں، بزرگوں کی بات مانتے ہیں یا جہاں ملازمت کرتے ہیں اس ادارے کا حکم مانتے ہیں تو یہ اطاعتیں صرف اس وقت تک جائز ہیں جب تک یہ اللہ کی اطاعت کے تحت اور اس کے مطابق ہوں۔ لیکن اگر ہمیں والدین، کوئی بزرگ یا کوئی فیکٹری مالک ایسی بات ماننے کا حکم دے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مطابق نہ ہو، اس کی مخالف ہو تو پھر ہم اس کی بات ہرگز نہیں مانیں گے۔ اسی طرح ہم مدد صرف اللہ سے مانگتے ہیں کیونکہ وہی علی الاطلاق خالق و مالک و رازق ہے۔ اور جب ہم فیکٹری مالک سے ملازمت مانگتے ہیں یا کسی دوست سے قرض مانگتے ہیں یا کسی اور سے مدد طلب کرتے ہیں تو یہ اللہ کی مدد کے تحت ہوتی ہے اس کے خلاف نہیں۔ جب ہم فیکٹری مالک سے ملازمت مانگتے ہیں تو اس وقت بھی ہم جانتے اور مانتے ہیں کہ جو میرا ربّ ہے وہ فیکٹری مالک کا بھی ربّ ہے لہٰذا اصل دینے والی تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔

وہ نظام حیات ہے جس میں ایک اللہ خالق و مالک و رازق اور ہادی و شارع ہے اور انسان اس کا عبد ہے اور اس کا کام یہ ہے کہ بلاشروط وحدود اللہ تعالیٰ کے آگے سر تسلیم خم کرے اور اس کا ہر حکم بلا چوں و چرا مانے۔

بعض لوگوں کو مغالطہ ہوتا ہے کہ انسان تو اللہ کا خلیفہ ہے (....) تو ہم اس کے عبد ہونے پر کیوں اصرار کرتے ہیں؟ انسان کا خلیفہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو آزادی دی ہے کہ وہ چاہے تو حق کو قبول کرے اور چاہے تو نہ کرے اور اسے زمین میں تصرف کا اختیار دیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ:

۱۔ انسان کو خلیفہ اللہ ہی نے بنایا ہے ۲۔ اللہ نے اسے واضح لفظوں میں سمجھا دیا ہے کہ دنیا و آخرت میں اس کی کامیابی کا انحصار اس کے بعد بننے پر ہے ۳۔ خلیفہ ہونا انسان کی عبدیت کی ضد نہیں بلکہ اس کے تابع ہے۔ (۱)

اسلام بہترین راہِ عمل اور دین فطرت ہے

اسلام انسان کے لیے بہترین راہ عمل ہے:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ [النساء ۴:۱۲۵]

''اور اس سے بہتر کس کا دین ہوگا جس نے اپنے چہرے کو اللہ کے آگے جھکا دیا ہو جبکہ وہ نیکی کا خوگر بھی ہو۔''

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [بنی اسرائیل ۱۷:۹]

''حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے اور جو لوگ ایمان لا کر نیک عمل کرتے ہیں انہیں خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے۔''

یہ اس کی فطرت (اردو معنوں میں) اور اس کی طبعی ضرورتوں کے عین مطابق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے:

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے البرہان شمارہ....

❁ ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ﴾[الروم ۳۰:۳۰]
''اللہ کی بنائی ہوئی فطرت پر چلو جس پر اس نے تمام لوگوں کو پیدا کیا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ چونکہ انسان کا خالق ہے اور اس کی ذات کامل واکمل ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ دین بھی کامل واکمل ہے اور اللہ سے بڑھ کر انسان کی خِلقی، خُلقی اور فکری ضرورتوں اور طبی وطبعی تقاضوں سے کون واقف ہوسکتا ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جو دین چنا ہے، اس کے لیے جو راہ عمل منتخب کی ہے، اسے جو نظام حیات دیا ہے وہ اس کی ضرورتوں اور تقاضوں کو احسن ترین انداز میں پورا کرتا ہے اس میں انسان کے لیے دنیا وآخرت دونوں کی بھلائی ہے اور وہ اس کی اخروی فلاح کا ضامن ہے۔

انسان کا اسلام کو یعنی اللہ کی عبادت واطاعت کے رویے کو قبول کرنا اس لیے بھی فطری ہے کہ جنّ وانسان کے سوا ساری کائنات کی مخلوق بالطبع اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کرتی ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴾[الروم ۲۶:۳۰]
''اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب اُسی کی ملکیت ہی۔ سب اُسی کے حکم کے تابع ہیں۔''

❁ ﴿فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴾
[فصلت ۱۱:۴۱]
''اور اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین سے کہا: اطاعت کرو، خوشی سے یا مجبوری سے۔ دونوں نے کہا: ہم اطاعت کرتے ہیں خوشی سے۔''(۱)

تو اسلام قبول کرنے یعنی اللہ کی عبادت واطاعت کا رویہ اختیار کرنے سے انسان گویا ساری کائنات کے اس رویے کے ساتھ موافقت وہم آہنگی اختیار کرلیتا ہے جو بالطبع (یعنی Boilt in طریقے سے) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کررہی ہے۔ اور اگر وہ اس کے برعکس کرے تو اس کا رویہ گویا دیگر کائنات کی مزاحمت کرتا ہے اور اس کے خلاف سمت میں چلتا ہے اور یوں

(۱) اس کتاب میں ہم نے مولانا تقی عثمانی صاحب کا ترجمہ استعمال کیا ہے لیکن اس آیت کا یہ تفہیمی وتفسیری ترجمہ ہمارا اپنا ہے۔

زمین میں فتنہ وفساد کا سبب بنتا ہے۔

اسلام کے سوا اللہ کو کوئی دین قبول نہیں

* ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ [آل عمران ۳:۸۵]

''جوکوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا۔''

* ﴿اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ﴾ [آل عمران ۳:۸۳]

''اب کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کی تلاش میں ہیں؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جتنی مخلوقات ہیں ان سب نے اللہ ہی کے آگے گردن جھکا رکھی ہے۔خوشی سے اور ناچار ہوکراور اسی کی طرف وہ سب لوٹ کر جائیں گے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انسانوں کا صرف اسلام کا یعنی اس کی عبادت واطاعت کا رویہ قبول ہے اور غیر اسلام کا رویہ یعنی انسان کا اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت نہ کرنا بلکہ اس کے مقابلے میں اپنی مرضی کرنا۔ یہ رویہ کفر کا رویہ ہے،اسلام کو ردّ کرنے والا رویہ ہے، انسان کی دنیاوآخرت برباد کرنے والا رویہ ہے،اس لیے اللہ کو ناپسند ہے۔ یہ انسان کے لیے اور اس کی دنیاوآخرت دونوں کے لیے تباہ کن ہے۔

غیر اسلام اور غیر دین اللہ کے مظاہر کئی ایک ہیں مثلاً:

مغربی فکر وتہذیب بھی دین غیر اللہ ہے اللہ کی بجائے انسانوں کی یا بتوں کی یا مظاہر فطرت (سورج، چاند، دولت، بارش، حسن، تولید وغیرہ) کی پرستش کرنا۔

- ایسے ادیان کی پیروی کرنا جن میں انسانوں نے تحریف کردی ہے اور توحید، رسالت، آخرت کے بنیادی تصورات کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے جیسے یہودیت، مسیحیت، ہندوازم، بدھ مت، کنفیوشس ازم وغیرہ۔

- وہ سارے نظام ہائے حیات جنہیں انسانوں نے (وحی کو چھوڑ کر) اپنی عقل اور اپنی

خواہشات نفس پر استوار کیا ہے جیسے مغربی فکر وتہذیب۔

پورے دین پر عمل کرنا ضروری ہے

اسلام میں جو رویہ اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ انسان:

- دین پر یکسوئی سے عمل کرے۔فرمایا:

﴿وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾[یونس ۱۰:۱۰۵]

''اور یہ کہ اپنا رُخ یکسوئی کے ساتھ اس دین کی طرف قائم رکھنا اور ہرگز ان لوگوں میں شامل نہ ہونا جو اللہ کے ساتھ شریک مانتے ہیں۔''

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ﴾[البینہ ۹۸:۵]

''اور انہیں اس کے سوا کوئی اور حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ بندگی کو بالکل یکسو ہو کر صرف اُسی کے لیے خالص رکھیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی سیدھی سچی اُمت کا دین ہے۔''

- پورے دین پر عمل کرے۔ یہ نہیں کہ کہیں اللہ کی بات مانے اور کہیں اپنی مرضی کرے۔ کچھ اجزائے دین پر عمل کرے اور کچھ پر نہ کرے۔ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو دین میں فرد کا مقام تو دیکھتے ہیں لیکن وہ اجتماعی زندگی (معاشرہ اور ریاست) سے صَرفِ نظر کر لیتے ہیں اور وہ بھی جو ساری اہمیت معاشرے اور ریاست کو دے دیتے ہیں اور دین میں فرد کا مقام ان کی نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے حالانکہ پورے دین پر عمل نہ کرنے کو اللہ نے کار ابلیس سے تشبیہ دی ہے۔فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾[البقرہ ۲:۲۰۸]

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔''

- دین کا زبان سے اقرار کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔فرمایا:

❁ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝﴾ [الصّف۶۱: ۲، ۳]

''اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ بات بڑی قابل نفرت ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔''

اس نفاق کی بدترین صورت یہ ہے کہ آدمی عقلاً بعض اجزائے دین پر انسانوں کے بنائے ہوئے نظریات کو ترجیح دے جیسے ہمارے ہاں کے بعض لوگ اسلام کے معاشی نظام کے مقابلے میں سوشلزم یا نظام سرمایہ داری کو بہتر اور زیادہ قابل عمل سمجھتے ہیں یا اسلام کے سیاسی نظام مبنی پر حاکمیت الٰہیہ وشوریٰ کے مغرب کی الحادی جمہوریت کو بہتر، مناسب اور زیادہ قابل عمل سمجھتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں۔ اس منافقانہ رویے کو اللہ تعالیٰ کفر قرار دیتے ہیں اور اس نفاق کی سزا جہنم کا سب سے نچلا درجہ قرار دیتے ہیں فرمایا:

❁ ﴿يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝﴾ [الانعام۶: ۲۵]

''تو یہ کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) پچھلے لوگوں کی داستانوں کے سوا کچھ نہیں۔''

❁ ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ﴾ [البقرہ۲: ۸۵]

''تو کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر تو ایمان رکھتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو؟ اب بتاؤ کہ جو شخص ایسا کرے اُس کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ دنیوی زندگی میں اس کی رسوائی ہو؟ اور قیامت کے دن ایسے لوگوں کو سخت ترین عذاب کی طرف بھیج دیا جائے گا اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔''

❁ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾ [المائدہ۵: ۴۴]

''اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ لوگ کافر ہیں۔''

❁ ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝﴾ [النساء۴: ۱۴۵]

''یقین جانو کہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور ان کے لیے تم کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔''

دین اپنے تحت عقل (واجتہاد) کے محدود کردار کو تسلیم کرتا ہے

دین خود کو مہیمن اور بالا دست قرار دینے کے بعد تفصیلات میں عقل وعرف کے تبعی (Subordinate) کردار کو تسلیم کرتا ہے۔فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴾[النساء۴:۱۱۵]

''اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے اور مؤمنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے،اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کر دیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔''

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ښ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾[البقرہ۲:۲۴۰]

''اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کر جایا کریں کہ ایک سال تک وہ (ترکے سے نفقہ وصول کرنے کا) فائدہ اٹھائیں گی اور ان کو (شوہر کے گھر سے) نکالا نہیں جائے گا۔ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو تو اپنے حق میں قاعدے کے مطابق وہ جو کچھ بھی کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔اور اللہ صاحب اقتدار ہے،صاحب حکمت بھی۔''

﴿ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿26﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿27﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿28﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ښ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿29﴾ ﴾[یوسف ۱۲: ۲۶تا۲۹]

''ایک گواہی دینے والے نے یہ گواہی دی کہ اگر یوسف کی قمیص سامنے کی طرف سے پھٹی ہوتو عورت سچ کہتی ہے اور وہ جھوٹے ہیں۔ اور اگر ان کی قمیص پیچھے کی طرف سے پھٹی ہے تو عورت جھوٹ بولتی ہے اور یہ سچے ہیں پھر جب شوہر نے دیکھا کہ ان کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو اس نے کہا کہ یہ تم عورتوں کی مکاری ہے واقعی تم عورتوں کی مکاری بڑی سخت ہے۔ یوسف! تم اس بات کا کچھ خیال نہ کرو، اور اے عورت! تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، یقینی طور پر تو ہی خطا کار تھی۔''

❁ ﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ [یونس ۱۰:۱۶]

''آخر اس سے پہلے بھی تو میں ایک عمر تمہارے درمیان بسر کر چکا ہوں۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے۔''

اور مشہور حدیث معاذ میں ہے:

كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ قَالَ أَقْضِي بِكِتَابِ اللهِ. قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَلاَ فِي كِتَابِ اللهِ قَالَ أَجْتَهِدُ بِرَأْيِي وَلاَ آلُو. فَضَرَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ صَدْرَهُ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللهِ لِمَا يُرْضِي رَسُولَ اللهِ.[سنن ابی داود ج2ص149 باب اجتہاد الرای فی القضاء]

''اے معاذ! یمن میں جا کر لوگوں کے درمیان فیصلے کیسے کرو گے؟ حضرت معاذؓ نے جواب دیا: میں کتاب اللہ کو سامنے رکھ کر لوگوں کے فیصلے کروں گا۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا: اگر تجھے وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ملے تو پھر؟ عرض کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں سے اس کا حل تلاش کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر دونوں میں نہ ملے تو؟ آپؓ نے عرض کیا: میں کسی قسم کی کوتاہی کیے بغیر اپنی رائے سے اس کو حل کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذؓ کے سینے پر اپنا ہاتھ مبارک مارا اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے اپنے نبی کے قاصد سے وہ بات کہلوائی جس کو سن کر تیرا پیغمبر خوش ہو گیا۔''

خلاصہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں یعنی قیامت تک اب کوئی نیا نبی نہیں آئے

گا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو انتظام فرمایا اس کے اہم نکات یہ ہیں:

۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کو آفاقی قرار دیا یعنی سارے زمانوں کے لیے اور ساری قوموں کے لیے۔

۔ قرآن حکیم کی حفاظت کا ذمہ خود لیا۔ امت کے اہل علم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو محفوظ کرنے کے لیے جو بے نظیر تحقیقی اور مؤثر جدوجہد کی وہ بھی گویا حفاظت وحی کی ایک صورت تھی۔

۔ بنیادی اصولوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے محکم آیات نازل فرمائیں جو ناقابل تغیر ہیں۔ اس کے ساتھ ہی امت کے اہل علم کو قرآن وسنت کی روشنی میں اجتہاد کی اجازت دی تاکہ شریعت قیامت تک قابل عمل رہے اور جہاں ضرورت ہے وہاں تبدیلی آتی رہے۔

شمع جلتی رہے

البرہان محض ایک جریدہ نہیں ایک مشن ہے۔ اگر آپ کو اس کے مضامین سے دلچسپی ہے تو کوشش کیجیے کہ یہ شمع جلتی رہے اور یہ شمع تبھی جلتی رہے گی جب آپ اس میں اپنے حصے کا تیل ڈالتے رہیں گے۔ خود بھی البرہان کے خریدار بنئے اور دوسروں کو بھی بنائیے۔

زرِاعانت: سالانہ 500 روپے　پانچ سال: 2000 روپے　تاحیات: 10,000 روپے

نام............ پتہ............

فون............

چیک اور منی آرڈر بنام تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ A-97 نیلم بلاک، اقبال ٹاؤن، لاہور بھجوائیے

ٹرسٹ کو دیے جانے والے عطیات ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں

تفہیم دین

سید خالد جامعی

مسلمانوں کے عروج و زوال کی وجوہات

مغرب و مشرق کے عروج و زوال کے فلسفے کی راکھ سے اٹھارہویں اور انیسویں صدی کی مسلم جدیدیت کا آغاز ہوا۔ مسلم جدیدیت کے نقطۂ نظر کے پس پشت خلافت ارضی کے زوال کا زیرلب مرثیہ ہے۔ زوال کی موج خوں سر سے گزر گئی اور مسلمان قوت، طاقت اور حاکمیت سے محروم کر دیے گئے لہٰذا عروج کے لیے طاقت، علم، قوت، سائنس، مغرب کا طریقۂ علم وزندگی، مغربی آدرش، اقتدار اور استخلاف فی الارض ہی اصل اہداف ٹھہرے۔

حیرت انگیز طور پر تمام قوم پرست، بنیاد پرست، احیائی تحریکوں، جدیدیت پسند طبقات اور روایت پسند مفکرین کے یہاں عروج اور اقتدار کی زیریں لہریں مشترک ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا زوال اس وجہ سے ہوا کہ وہ علم و ہنر وفنون میں اور تسخیر کائنات میں پیچھے رہ گئے، مغرب نے ان میدانوں میں سبقت حاصل کی۔ عروج و زوال سے متعلق گزشتہ دو سو برس کے تجزیوں میں متفقہ تجزیہ یہی ہے کہ جدید علوم کے ذریعے ہی اسلام کا غلبہ قائم ہوگا، اس کے سوا کامیابی اور کامرانی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ یہ رویہ خالصتاً غلامانہ سوچ کا آئینہ دار ہے۔ اگر مغرب کے راستے کو کاملاً اختیار کرلیا جائے تو مشرق مغرب بن جائے گا مگر روحانی اخلاقی طور پر مغرب سے بدتر ہوگا۔ غلبے کی تشخیص و تجزیے میں تبلیغ اور دعوت دین کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے اندلس میں زبردست مادی ترقی کی لیکن روحانی طور پر وہ غیر مسلموں کو متاثر نہ کر سکے لہٰذا ہمیشہ اقلیت میں رہے۔ اندلس یورپ میں اسلام کی اشاعت نہ کر سکا۔ خلافت عثمانیہ اور مغلیہ سلطنت نے اپنے زیر تسلط علاقوں میں اسلام کی دعوت کو عام کرنے اور دائرہ اسلام کو وسیع کرنے پر کوئی توجہ نہ دی۔ یہ تمام سلطنتیں مادی طور پر بہت مستحکم سلطنتیں رہیں لیکن رعایا پر یہ روحانی برتری قائم نہ کر سکیں۔ انھوں نے زمین مسخر کرلی، دل مسخر نہ کر سکے۔ دعوت سے اغماض ہی ان کی ناکامی تھا لیکن عروج و زوال کی تمام قدیم وجدید بحثوں میں اس بحث کا ذکر نہیں۔

عروج و زوال کی بحث کرنے والے مفکرین اپنے تجزیوں میں یہ بتانے سے قاصر ہیں

کہ خلافت عباسیہ جو ٹیکنالوجی میں منگولوں اور تاتاریوں سے برتر تھی اور تہذیب و تمدن میں اس کا ان سے مقابلہ نہ تھا، آخر کیسے شکست کھا گئی؟ ایک غالب اور برتر تہذیب وحشیوں کی یلغار کا سامنا کیوں نہ کرسکی؟

یہ مفکرین یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ شکست خوردہ اسلامی تہذیب صرف پچاس سال کے عرصے میں بغیر کسی مادی ترقی کے دوبارہ کیسے غالب آ گئی؟ اور وہ کون سی سائنس ٹیکنالوجی، علوم اور فلسفے تھے جس نے چنگیز کے پوتے برقے کو قبولیت اسلام کے لیے آمادہ کیا اور طاقت کا توازن آناً فاناً تبدیل ہو گیا؟

اس سوال پر بھی غور نہیں کیا جاتا کہ ترکوں کا سیلاب ویانا میں کیوں داخل نہ ہوسکا جبکہ یورپی حکمران ٹیکنالوجی اور سائنس میں خلافت عثمانیہ کے مقابلے میں برتری کے حامل نہیں تھے۔؟

ہندوستان میں مغلیہ سلطنت اور ریاستیں انگریزوں سے کیوں شکست کھا گئیں جبکہ اس وقت عسکری سطح پر دونوں گروہوں کے پاس کم و بیش توازن طاقت برابر تھا؟ پورے ہندوستان کو فتح کرنے والی انگریزی فوج کی تعداد صرف چند ہزار تھی لیکن ہندوستان کیونکر سرنگوں ہو گیا؟

لہٰذا مسئلہ صرف فنون، علم، سائنس اور ٹیکنالوجی کا نہیں ہے، مسئلہ اس سے بڑھ کر گھمبیر ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ان اہم تاریخی مباحث کو یہ مفکرین نظرانداز کرکے زوال کے سطحی تجزیے پیش کرتے ہیں جس کے نتیجے میں زوال گھمبیر ہوتا جا رہا ہے۔ ترکی، مصر، ملیشیا نے مغربی تہذیب اور تعلیم کو اختیار کرلیا تو وہاں کیا انقلاب برپا ہوا؟

سرسید کی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا خواب پورا ہو گیا لیکن اس جامعہ کے ذریعے کیا عروج کا وہ سفر طے ہو گیا جس کی آرزو کی گئی تھی؟ اس جامعہ سے شائع ہونے والی کتنی کتابیں آج دنیا بھر کی جامعات میں پڑھائی جا رہی ہیں؟

جدیدیت پسندوں کے یہاں ایک لہر مغربی علوم کو عروج کا ذریعہ سمجھتی ہے۔ دوسری لہر صرف سائنس کو ترقی اور تیسری لہر مغربی علوم کے ساتھ مغربی ثقافت کو۔ ان تینوں لہروں میں ایک اندرونی غیر محسوس ادغام دنیا پر غلبے اور بالادستی کا تصور ہے۔ جدیدیت پسندوں کے

یہاں یہ بالادستی دعوت ایمان، قلوب کی تسخیر، دین کے لئے محنت، پیغام محبت، عمل صالح، اتحاد، اجماع اور جہاد کے مراحل کے فلسفے کے بغیر صرف سائنسی علوم اور معیشت کی طاقت پر اصرار کرتی ہے۔ طاقت کے مختلف مظاہر اسی حکمت عملی کا شاخسانہ ہیں۔

کیا عروج سائنس کے ذریعے اور مادی ترقیات کے بغیر نہیں مل سکتا؟

کیا فتح کا واحد راستہ جنگ، پیسہ، علم ہے؟

کیا فریق مخالف کو سرنگوں کیے بغیر فتح کا کوئی امکان نہیں؟

اس تاریخی مغالطے کی تشریح جدیدیت پسندوں اور احیائی تحریکوں میں بنیادی نوعیت کے نظریاتی فرق کے باوجود یکساں ہے۔ دونوں کے یہاں اقتدار ِحکومت، طاقتِ علم، سائنسی ترقی کے بغیر مسلمانوں کے غلبے کا واضح شعور اور تصور نہیں ملتا۔ غلبے کے تمام ذرائع صرف مادیت پر انحصار کرتے ہیں۔

قدیم اور جدید راسخ العقیدہ اور جدیدیت پسند مفکرین کے یہاں اس بات کا کوئی ادراک نہیں ہے کہ سلطنت روما کو عیسائیت نے ٹیکنالوجی کے بل پر شکست نہیں دی، روما جیسی عظیم الشان سلطنت فتح کرنے والے گدھوں پر سوار تھے، حملہ آوروں کی دعوت نے قلوب مسخر کر لیے تھے۔ روس کو امریکا نے عسکری میدان میں شکست نہیں دی بلکہ روسی عوام کا نظریہ زندگی بدل دیا، انہیں لبرل بنا دیا گیا۔ یہ جنگ میدان جنگ میں نہیں عقیدہ اور نظریہ کی تبدیلی کے ذریعے لڑی گئی۔ یہی صورتحال چین کے ساتھ درپیش ہے، سرمایہ دارانہ نظام کے باعث چین کا تشخص ختم ہو گیا ہے وہ نظریاتی اساس کھو بیٹھا ہے۔

عروج و زوال کی بحثوں میں جدیدیت پسند طبقات دین پر نقد کرتے ہیں۔ بعض حدیث کا انکار کرتے ہیں، بعض اسلامی اقدار کا استہزا اور تمسخر اڑاتے ہیں، بعض دین کو ہی زوال کا سبب سمجھتے ہیں، بعض اس زوال کی وجہ سائنس اور عقل سے انحراف کو قرار دیتے ہیں، بعض روحانیت کے ساتھ مادی ترقی کی ضرورت کو لازمی سمجھتے ہیں، بعض زوال کا سبب تصوف کو گردانتے ہیں، بعض مظاہر کائنات سے عدم دلچسپی کو زوال کی وجہ بتاتے ہیں لیکن تنقید کرنے والے تمام طبقات مادیت کے ذریعے ہی عروج و زوال کی تشریح کرتے ہیں۔

عالم اسلام

ڈاکٹر محمد سہیل شفیق ﴿۱﴾

مسجد آیا صوفیہ کی بحالی: تاریخی پس منظر

جس کے میناروں سے 86 سال بعد اذان کی آواز بلند ہوئی

بلاشبہ 10 جولائی 2020ء جمعۃ المبارک کا دن مسلم دنیا، بالخصوص ترکی کے مسلمانوں کے لیے بڑی خوشی کا دن تھا۔ اس خوشی کا سبب 86 سال کے طویل وقفے، صبر آزما جدوجہد اور قانونی جنگ کے بعد جامع مسجد آیا صوفیہ کے میناروں سے توحید کی صداؤں کا بلند ہونا ہے۔

آیا صوفیہ جسے سینٹ صوفیہ اور حاجیہ صوفیہ (Hagia Sophia) جیسے مختلف ناموں سے بھی پکارا جاتا ہے، دنیا کی اس قدیم ترین عمارت کی بنیاد بازنطینی حکمران کونسٹنٹائن اوّل (Constantine) نے رکھی تھی۔ لیکن یہ عمارت اپنی موجودہ حالت میں شہنشاہ جسٹینین (Justinian) کے دور میں 532ء اور 537ء میں تعمیر کی گئی۔ ایک ہزار سال تک اسے دنیا کے سب سے بڑے گرجے اور عیسائیوں کے مذہبی و روحانی مرکز کی حیثیت حاصل رہی۔ اس عمارت کی سب سے نمایاں شے اس کا وسیع گنبد تھا جسے سنبھالنے کے لیے کوئی ستون نہیں تھا۔ فنِ تعمیر کی یہ نمایاں خصوصیت اور خوبی دراصل اس کی خامی بھی تھی کیونکہ بعد کے ادوار میں کئی زلزلوں میں یہ گنبد زمین پر آرہا اور اس کی مرمت کرنی پڑی۔ اس کے علاوہ آگ لگنے سے بھی عمارت کلی یا جزوی طور پر تباہ ہوگئی اور مرمت کے مراحل سے گزری۔

بازنطینی دور میں قسطنطنیہ مشرقی رومی سلطنت کا مرکز تھا اور ساتھ ہی ساتھ آرتھوڈوکس کلیسا کی جائے پیدائش بھی۔ اس لحاظ سے آیا صوفیہ کو انتہائی مقدس حیثیت حاصل تھی۔ یہاں نہ صرف یہ کہ بازنطینی شہنشاہوں کی تاج پوشی ہوتی تھی بلکہ دوسرے مذہبی مراسم بھی ادا کیے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ ایک سیاسی اور عسکری مرکز بھی تھا، صلیبی جنگوں کے منصوبے یہیں تشکیل پاتے تھے اور یہیں سے پوپوں کے ذریعے مسیحی حکمرانوں اور بادشاہوں کو متحد کیا جاتا تھا۔

﴿۱﴾ کراچی یونیورسٹی

1453ء میں قسطنطنیہ کی عظیم فتح کے بعد سلطان محمد فاتح نے آیا صوفیہ میں پناہ گزین عیسائیوں اور شاہی خاندان کے افراد کے لیے عام معافی کا اعلان کر دیا جو یہاں آہ و فریاد کر رہے تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کی جانوں کی خیر نہیں۔ سلطان محمد فاتح نے آیا صوفیہ میں دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق ''ایک مبارک شہر کو فتح کرنے والے مبارک جرنیل'' کا لقب حاصل کیا۔

فقہ اسلامی اور اُس وقت کے جنگی قوانین کے مطابق بزورِ تلوار فتح کیے جانے والے غیر مسلم علاقے یا ملک کی سب سے بڑی عبادت گاہ کو مسجد میں تبدیل کرنا ''حقِ فتح'' ہے۔ لیکن فتح قسطنطنیہ کے بعد سلطان محمد فاتح نے اس عمارت کو اور آس پاس کی زمین کو اپنے ذاتی مال سے خریدا اور اس کی مکمل قیمت کلیسا کے راہبوں کو ادا کی۔ یہ بات بھی اہمیت کی حامل ہے کہ سلطان نے اس مصرف کے لیے مسلمانوں کے بیت المال سے بھی قیمت نہیں لی بلکہ طے کردہ پوری قیمت اپنی جیب سے ادا کی، اور اس عمارت اور زمین کو مسلمانوں کے مصالح کے لیے وقف کر دیا۔ خرید و فروخت کی دستاویزات آج بھی ترکی کے دارالحکومت انقرہ میں موجود ہیں۔

ترک حکمرانوں بشمول سلطان محمد فاتح نے اس کلیسا کے چاروں طرف چار مینار تعمیر کروائے۔ یہ چاروں مینار الگ الگ دور میں مختلف طرزوں میں تعمیر کیے گئے۔ یہ مینار آج بھی قائم ہیں اور آیا صوفیہ کو نمایاں طور پر ایک مسجد کا روپ دیتے ہیں۔ انیسویں صدی عیسوی میں عثمانیوں نے مرکزی ہال میں ایک خوبصورت محراب اور منبر کا اضافہ کیا، اور مشہور خطاطوں کے خطاطی کے نمونے بھی نئی جامع مسجد میں رکھے گئے۔ 1453ء سے 1935ء تک، تقریباً 481 سال، آیا صوفیہ کی یہ عظیم عمارت مسجد کی حیثیت سے قائم رہی۔

مسجد آیا صوفیہ کو میوزیم میں بدلنے کی تحریک سلطان عبدالحمید دوم کے زمانے میں شروع ہوئی، جس کا آغاز استنبول میں یہودیوں کے قائم کردہ رابرٹ کالج میں بازنطینیوں کی تاریخی عمارات اور نوادرات کی حفاظت کی خاطر ایک انسٹی ٹیوٹ کے قیام سے ہوا۔ انسٹی ٹیوٹ کے کارپردازوں نے آیا صوفیہ کی حفاظت اور عجائب گھر میں تبدیلی کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ اس سلسلے میں امریکہ اور دیگر مغربی ممالک سے مشنری، نام نہاد دانشور اور سیاست

دان آنے لگے اور اپنے مطالبات شد و مد سے پیش کرنے لگے۔ جنگِ آزادی اور جمہوریہ ترکیہ کے قیام کے بعد ان کو مطلوبہ ماحول میسر آ گیا، اور آخر کار مصطفیٰ کمال اتاترک نے وزیر اعظم کو ہدایت دی کہ وہ آیا صوفیہ کی عجائب گھر میں تبدیلی کے لیے قانونی کارروائی کریں۔ وزیر اعظم نے مسودۂ قانون تیار کیا جو 1934ء میں منظور کر لیا گیا۔ جس کے بعد آیا صوفیہ کو کھولا گیا لیکن مسجد کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک عجائب گھر کی حیثیت سے۔ اس طرح مغربی ممالک اور ترکی کے لادین عناصر اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئے۔ خدا کے گھر کو عجائب گھر میں تبدیل کر دیا گیا۔ مصطفیٰ کمال پاشا نے یہاں نماز پڑھنا ممنوع قرار دے دیا اور یہاں نماز پڑھنے کی کوشش کرنے والوں کو گرفتار کیا جانے لگا۔

آیا صوفیہ جب تک گرجا رہا اس کی دیواروں پر عیسائیوں کی مقدس شبیہیں بھی موجود رہیں۔ عثمانیوں نے مسجد کے تقدس کو قائم رکھنے کے لیے ان شبیہوں کو ایک خاص روغن سے ڈھانپ دیا تھا۔ لیکن 1934ء میں جب اس کی مسجد کی حیثیت کو ختم کیا گیا تو کمال پاشا نے یہ روغن صاف کروا کے ان شبیہوں کو دوبارہ اجاگر کروا دیا۔ ستمبر 2015ء میں جب ہمیں آیا صوفیہ کو دیکھنے کا اتفاق ہوا تو یہاں اسلام اور عیسائیت کی علامات کا ایک عجیب امتزاج نظر آیا۔ ایک طرف خوبصورت منبر پر سنہرے حروف میں قرآنی آیات، اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی والی تختیاں نظر آئیں، جب کہ دوسری طرف دیواروں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام اور عیسائی راہبوں کی شبیہیں بھی موجود تھیں۔

قسطنطنیہ کی عظیم فتح کی یادگار آیا صوفیہ جیسی تاریخی حیثیت کی حامل ایک عظیم عبادت گاہ کی مسجد میں تبدیلی محض مسلمانانِ ترکی ہی نہیں بلکہ مسلمانانِ عالم کی دیرینہ خواہش اور مطالبہ تھا۔ فنِ تعمیر کا شاہکار یہ عبادت گاہ تقریباً 481 سال ایک مسجد کی حیثیت رکھنے کے بعد گزشتہ چھیاسی سال سے خدا کے گھر کی حیثیت سے محروم تھی۔ اس عرصے میں اس میں موجود قرآنی آیات، نقش و نگار اور خطاطی کے نمونوں کو ختم کر کے کلیسا سے متعلق مینا کاری، موزائیک اور مصوری کے نمونے کھود کھود کر نکالے گئے۔

عجائب گھر کے طور پر اس کی ابتر حالت اور بے حرمتی پر اہلِ ایمان کڑھتے رہے اور

بار بار مطالبہ کرتے رہے کہ اس کی اسلامی حیثیت بحال کی جائے۔ اتاترک اور عصمت انونو کے دور میں اس سلسلے میں کوئی اجتماعی کوشش نہیں ہوسکی، البتہ ترکی کی ملّی سلامت پارٹی نے اسے باقاعدہ مطالبے کی شکل دی اور اس کے سربراہ پروفیسر نجم الدین اربکان نے اس کا متعدد بار کھل کر اظہار کیا۔ ترکی کے اخبارات ''ترکیہ'' اور ''ترجمان'' نے آیا صوفیہ کو دوبارہ مسجد کی حیثیت دینے سے متعلق مہم کا آغاز کیا۔ اس سلسلے میں مختلف طبقہ فکر کے لوگوں کی آراء کو جگہ دی گئی اور ''ترکیہ'' نے دستخطوں کی ایک مہم شروع کی۔ دو تین ہفتوں میں دس لاکھ سے زیادہ دستخط حاصل کیے گئے اور انھیں متعلقہ حکام کو پیش کیا گیا۔ اسی دوران برسر اقتدار مادرِ وطن پارٹی کے بعض اراکینِ قومی اسمبلی نے بھی آیا صوفیہ کے مسجد میں تبدیل کیے جانے سے متعلق مسودۂ قانون کو اسپیکر کے حوالے کیا۔ مادرِ وطن پارٹی کی مجلسِ قائمہ نے اس مسودۂ قانون کی منظوری دے دی۔ لیکن سرکاری جماعت میں اس مسودۂ قانون کے بارے میں اراکینِ اسمبلی کی آراء مختلف تھیں۔ زیادہ تر تعداد قدامت پسند اور قوم پرست ہونے کے باوجود مغربی ذہن کے لبرل خیالات کے حامی اراکین اور وزراء اتاترک اور لادینیت کے اصولوں سے انحراف کی ہمت کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ آیا صوفیہ کے مسجد میں تبدیل کیے جانے سے نہ صرف یہ کہ اتاترک کے فیصلے سے بغاوت ہوگی بلکہ اس سے ترکی کی لادینی حیثیت اور بیرونِ ملک وقار میں کمی ہوگی۔ مسودۂ قانون کے حامی لوگوں کا نقطہ نظر یہ تھا کہ آیا صوفیہ کی اصل حیثیت ایک مسجد کی ہے، اتاترک نے مغربی ممالک اور عیسائیوں کے دباؤ میں آکر اسے ایک عجائب گھر بنا دیا تھا، اور اب اسے مسجد بنا دینا اس کی سابقہ حیثیت کو بحال کرنا ہوگا۔

31 مئی 2014ء کو ترکی میں ''نوجوانانِ اناطولیہ'' نامی ایک تنظیم نے مسجد کے میدان میں فجر کی نماز کی مہم چلائی جو آیا صوفیہ کی مسجد بحالی کے مطالبے پر مبنی تھی۔ اس تنظیم کا کہنا تھا کہ انھوں نے ڈیڑھ کروڑ لوگوں کے تائیدی دستخطوں کو جمع کرلیا ہے۔ ترکی کی تاریخی یادگاروں، ماحولیات اور اوقاف کی ایسوسی ایشن نے 24 جون 2005ء کو ترکی کی اعلیٰ عدالت میں مقدمہ دائر کر کے مسجد کی حیثیت کی بحالی کا مطالبہ کیا۔ تاہم عدالت نے یہ مطالبہ یہ کہہ کر مسترد کردیا کہ میوزیم کا استعمال مسجد کی حرمت پامال نہیں کر رہا، لہٰذا آیا صوفیہ کو میوزیم ہی رہنے دیا جائے۔ چونکہ چیمبر کا فیصلہ کمزور دلائل پر مبنی تھا، لہٰذا 2016ء میں ترکی کے اوقاف کے مذکورہ

ادارے نے دوبارہ اپنا مقدمہ دائر کر دیا، جس میں انھیں کامیابی حاصل ہوئی۔

آیا صوفیہ سے متعلق ترکی کی اعلیٰ ترین عدالت کونسل آف اسٹیٹ کے حالیہ فیصلے کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اس مقدمے میں کہیں یہ بحث ہی نہیں ہوئی کہ اس عمارت اور زمین کو مسجد ہونا چاہیے یا میوزیم یا گرجا گھر۔ اس حوالے سے بھی کوئی بات نہیں ہوئی کہ سلطان محمد فاتح کا اسے مسجد بنانا یا مصطفیٰ کمال اتاترک کا اسے عجائب گھر بنانا درست تھا یا نہیں۔ مقدمے کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ کیا حکومتِ ترکیہ کا اس عمارت پر قبضہ قانونی ہے یا نہیں؟

1923ء میں ترک جمہوریہ کے قیام کے بعد بھی 14 سال تک جامع مسجد آیا صوفیہ ایک نجی وقف کے پاس ہی تھی۔ سلطان محمد فاتح نے یہ مسجد براہِ راست حکومتی قبضے میں رکھنے کے بجائے ایک نجی وقف کے حوالے کی تھی جس کی قانونی حیثیت کو سلطنتِ عثمانیہ کے خاتمے کے بعد بھی حکومتِ ترکیہ نے قبول کیا اور اس کی جمہوریہ ترکیہ میں باقاعدہ رجسٹریشن ہوئی۔ لیکن 1934ء میں مصطفیٰ کمال نے بغیر کوئی قیمت ادا کیے اس وقف کی اس جائداد یعنی مسجد آیا صوفیہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کیس میں حکومتِ ترکیہ باقاعدہ فریق بھی نہیں تھی، تاہم سیاسی طور پر وقف کو ترکی کے صدر اردوان کی حمایت ضرور حاصل تھی۔ اگر حکومت چاہتی تو خود اپنے زیرِ انتظام عمارت کو مسجد بنا دیتی، لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ جب وقف نے عدالت میں دستاویزی ثبوت پیش کر دیے کہ یہ عمارت آرتھوڈوکس عیسائیوں نے سلطان محمد فاتح کو قیمت لے کر فروخت کی تھی اور محمد فاتح نے اسے اسلامی وقف کے حوالے کیا تھا، اور یہ کہ یہ عمارت اسلامی وقف کی ملکیت مسجد تھی، لہٰذا اتاترک کو ناجائز اور غیر قانونی اقدام کر کے اسے میوزیم بنانے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا، تو عدالت نے وقف کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے آیا صوفیہ کی مسجد کی حیثیت بحال کر دی۔ واضح رہے کہ کسی گرجا گھر کو مسجد میں تبدیل نہیں کیا گیا، بلکہ ایک مسجد جسے عجائب گھر بنا دیا گیا تھا، اسے اس کی اصل حیثیت پر لوٹایا گیا ہے۔

حکومتِ ترکیہ نے عثمانی دستاویز ظاہر کر دی ہیں جس کے مطابق آیا صوفیہ کو سلطان محمد فاتح نے ذاتی حیثیت میں خرید کر مسجد کے لیے وقف کر دیا تھا۔ آیا صوفیہ 24 جولائی 2020ء کو نمازِ جمعہ کے ساتھ باقاعدہ بطور مسجد کھلے گی لیکن لوگوں نے ابھی سے آیا صوفیہ کے باہر نماز قائم

کرنا شروع کردی ہے۔ جب تک آیا صوفیہ کو عجائب گھر کی حیثیت حاصل تھی، داخلے کے لیے ٹکٹ لینا ہوتا تھا۔ اب داخلہ بغیر ٹکٹ کے ہوگا۔ اہم بات یہ ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں، دونوں کے لیے مسجد کھلی رہے گی۔

ترکی کے صدر رجب طیب اردوان نے ترک قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آیا صوفیہ کو مسجد بنانے کا فیصلہ قبلہ اوّل مسجد اقصیٰ کی آزادی کی طرف پہلا قدم ہے، اِن شاء اللہ یہ فیصلہ مسلمانوں کی کھوئی ہوئی عظمت کو بحال کرے گا اور ایک شاندار مستقبل کی نوید بنے گا۔(بشکریہ فرائیڈے سپیشل، کراچی)

عالم اسلام مدیر

مصر کا افسوس ناک فیصلہ

مصر کا صدر سیسی جو اسلام اور اسلامی قوتوں کے خلاف امریکی مہرہ ہے جس نے اخوان المسلمون کے خلاف سازش کرکے امریکی، اسرائیلی اور سعودی حمایت سے صدر مرسی شہید کا تختہ اُلٹا، اخوان کو غیر قانونی قرار دیا اور ان کے ہزاروں آدمیوں کو جیل میں ڈالا، اس کا تازہ کارنامہ یہ ہے کہ اس نے لیبیا میں ترکی اور لیبیا کی حکومت کے خلاف اور امریکی و یورپی ایجنٹ خلیفہ حفتر کی حمایت میں لڑنے کے لیے مصری پارلیمنٹ سے وہاں فوج بھجوانے کی اجازت لی ہے۔

سوال یہ ہے کہ مسلم حکمران کب ہوش کے ناخن لیں گے، استعمار کی اسلام اور مسلم دشمنی کو پہچانیں گے اور ان کے کہنے پر اپنوں سے لڑیں گے؟ جنگ عظیم اوّل سے پہلے خلافت کے خاتمے، مسلمانوں کو زوال پذیر کرنے اور ترکی کو توڑنے میں استعمار نے جس طرح عربوں کو ترکی کے خلاف استعمال کیا تھا، اس کے زخم ابھی باقی تھے کہ اب استعمار نے اُبھرتے ہوئے ترکی کو (جو ۲۰۲۴ء میں سو سالہ معاہدۂ لوزان کے خاتمے کے بعد اپنے سابقہ کردار کی بحالی کے لیے کوشاں ہے) زک پہنچانے کے لیے پھر عربوں کو اس کے خلاف کھڑا کردیا ہے۔ کاش عرب یہ سوچیں کہ ان کا دشمن امریکہ، یورپ اور اسرائیل ہے، ترکی نہیں!

مطالعۂ کتاب

مترجم: جاوید احمد خورشید

ایک کمپنی نے مسلم ہندوستان کو کس طرح زوال پذیر کیا؟

ایسٹ انڈیا کمپنی کی لوٹ مار اور ظلم کی بے نظیر داستان

ولیم ڈیل رِم پَر (William Deel Rimpur) کی کتاب
The Anarchy: The East India Company, Corporate Violence and the Pillage of an Empire کی تلخیص

مصنف کہتا ہے کہ یہ کتاب نہ تو کمپنی کی مکمل تاریخ کا احاطہ کرتی ہے اور نہ ہی اس کی تجارتی سرگرمیوں کی تفصیل فراہم کرتی ہے۔اس کتاب کو تحریر کرنے کا مقصد دراصل اس سوال کا جواب فراہم کرنے کی ایک کوشش ہے کہ ایک کمپنی کسی طرح ۱۷۵۶ء سے ۱۸۰۳ء کے درمیان طاقت ور مغل سلطنت کو ہندوستان سے بے دخل کر دینے میں کامیاب ہوئی۔اس کتاب میں ان حالات کو بھی وضاحت سے پیش کیا گیا ہے کہ کمپنی نے اپنے سخت مخالفین یعنی نواب بنگال،نواب اودھ،ٹیپو سلطان اور سلطان شاہ عالم پر کس طرح تسلط حاصل کیا۔سلطان شاہ عالم نے کمپنی کے اُن پچاس برسوں کو دیکھا تھا جس میں کمپنی نے لوٹ مار کی اور ایک معمولی تجارتی کمپنی سے امپیریل طاقت کے طور پر اُبھری۔شاہ عالم کی زندگی کو کتاب میں مرکزی حیثیت حاصل ہے جس کے گرد کتاب کے واقعات گھومتے ہیں۔

کتاب مذکور کے تعارف کا اردو پیراہن کچھ یوں ہے:

انگریزی زبان میں ہندوستانی زبان کے جو الفاظ اول اول شامل ہوئے ان میں لفظ 'لُوٹ' (loot) بھی تھا۔آکسفرڈ انگلش ڈکشنری کے مطابق یہ لفظ اٹھارویں صدی کے آخر تک شمالی ہندوستان سے باہر شاید ہی کہیں سنا جاتا تھا۔اٹھارویں صدی کے بعد سے اچانک اس لفظ کا استعمال برطانیہ میں عام ہوگیا۔اس لفظ کا استعمال اُن دور مقامات پر بھی کس طرح عام ہوا، یہ جاننے کے لیے پووِس کیسل (Powis Castle) کا دورہ کرنا ضروری ہے (جہاں رابرٹ کلائیو (Robert Clive) اور اس کے بیٹے ایڈورڈ کلائیو (Edward

Clive) نے ہندوستان سے لوٹی ہوئی دولت کو جمع کیا تھا)۔

اٹھارویں صدی میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے شاہی خزانوں کی جو بھی لوٹ مار کی اس سے پووِس کیسل کے کمرے کے کمرے بھر دیے۔ مغل حکمرانوں کے شاہی نوادرات آج بھی وہاں اتنی بڑی تعداد میں موجود ہیں جو ہندوستان میں بھی کہیں نہیں۔ اس بارے میں انڈیا نیشنل میوزیم بھی تہی دست ہے۔ پووِس کسیل میں سونے کے حقے، جواہرات سے مزین خنجر، کبوتر کے خون سے مماثل یاقوت اور نایاب زمرد موجود ہیں۔ شیروں کے حنوط شدہ سروں کو نایاب پتھروں کے درمیان مزین کیا گیا ہے۔ ریشم پر کڑھے ہوئے قیمتی ملبوسات موجود ہیں۔ اہم جگہوں پر بنگال کے نواب کی پالکی اوران کا خیمہ رکھا ہے جو جنگ پلاسی کے بعد ہاتھ آئے تھے۔

ہندوستان سے لوٹے ہوئے خزانوں کی یہ ایک دھندلی سی تصویر ہے۔ گزشتہ سال گرمیوں میں پووِس گیا تھا وہاں میں نے اس بڑی تصویر کو نہ پایا جس سے واضح ہوتا تھا کہ یہ لوٹ مار کس طرح ہوئی۔ چوبی سیڑھیوں کے اوپر یہ تصویر موجود تھی جو کوئی شہ پارہ تو تھی نہیں لیکن اِس سے اُس وقت کے حالات کا پتا چلتا تھا۔ اس تصویر میں ایک شہزادہ ہے جو سونے کے تاروں سے کڑھا ہوا لباس پہنے اونچے تخت پر متمکن ہے۔ اوپر ریشمی سائبان موجود ہے۔ ان کے بائیں جانب نیزے بردار افراد کھڑے ہیں اوران کے دائیں جانب جار جیائی جنٹل مین ہیں جو اپنی مخصوصِ پیری وِگ (Periwig) پہنے ہوئے ہیں۔ سرخ کوٹ میں ملبوس ایک انگریز موجود ہے جسے شہزادہ ایک حکم نامہ پیش کررہا ہے۔ یہ تصویر اگست ۱۷۶۵ء کے اس منظر کو ظاہر کرتی ہے، جب نوجوان مغل بادشاہ شاہ عالم کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے فوجیوں کے ہاتھ شکست ہوئی تھی اور انھیں دلی سے نکال دیا گیا تھا جسے آج ہم غیر رضا کارانہ نج کاری (involuntary privatization) سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس حکم نامے میں بنگال، بہار اوراڑیسا کے مغل ریونیو افسران کو ہٹانے کا اعلان کیا گیا ہے اوران کی جگہ ان انگریز تاجروں کے تقرر کا فیصلہ کیا گیا ہے جنہیں بنگال کے گورنر رابرٹ کلائیو نے منتخب کیا تھا۔ کمپنی کے نئے ڈائریکٹروں کے بارے میں دستاویز میں جو الفاظ ملتے ہیں وہ یہ ہیں:

The high and mighty, the noblest of exalted nobles, the chief of illustrious warriors, our faithful servants and sincere

well-wishers, worthy of royal favours, the English Company
مغل محصولات کو طاقت ور بین الاقوامی کارپوریشن یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں میں ٹھیکے پر دے دیا گیا۔ محصولات جمع کرنے کے کام میں کمپنی کو اس کی نجی فوجوں کا بھی تحفظ حاصل ہوتا تھا۔

کمپنی اپنے اساسی منشور یا چارٹر کی وجہ سے جنگ کرنے پر پابند تھی اور کمپنی نے اپنے مفادات حاصل کرنے کے لیے ۱۶۰۲ء سے تشدد کا راستہ اختیار کرلیا تھا، یعنی اس سال کمپنی نے ایک پرتگالی بحری جہاز پر قبضہ کرلیا تھا۔ ۱۶۳۰ء میں کمپنی نے انڈیا کے کچھ مختصر حصے پر قبضہ کرلیا تھا۔ ۱۷۶۵ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی تاجرانہ شہرت سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ ان تاجرانہ مقاصد کے تحت کمپنی ریشم اور مسالوں کی تجارت کرتی تھی۔ اب کمپنی ایک بالکل علاحدہ مقصد کی حامل نظر آتی ہے۔ کچھ ہی عرصے میں کمپنی نے اپنی نجی فوج میں ۲۵۰ کلرک اور بیس ہزار مقامی افراد بھرتی کیے۔ کمپنی اب ایک عالمی کارپوریشن کے طور پر ابھر رہی تھی جو نوآبادیات سے متعلق جارحانہ عزائم رکھتی تھی۔

۱۸۰۳ء میں کمپنی کی نجی فوج دو لاکھ افراد تک پہنچ گئی تھی اور اس نے بہت تیزی سے پورے برصغیر کو اپنے تسلط میں لے لیا تھا۔ تسلط حاصل کرنے میں کمپنی کو ۵۰ سال لگے۔ پہلا بھرپور معرکہ بنگال میں ۱۷۵۶ء میں ہوا، یعنی کمپنی کو دہلی پر قبضہ حاصل کرنے سے ۴۷ سال پہلے۔ مغل سرکار کے ایک آدمی نے سوال اٹھایا کہ 'اب ہماری کیا عزت رہ گئی ہے کہ ہم اُن مٹھی بھر تاجروں سے احکامات لیں گے جنھیں اپنے سرین دھونے بھی نہیں آتے۔'

اٹھارویں صدی کے وسط میں جس وقت وکٹورین دور اپنے عروج پر تھا، اس وقت برطانوی حکومت کی جانب سے مشکوک، ظالمانہ اور تاجرانہ انداز پر ایک احساسِ شرمندگی پایا جاتا تھا۔ اس حوالے سے وکٹورین یہ سمجھتے تھے کہ تاریخ کا اصل مقصد نیشن اسٹیٹ کی سیاست ہے۔ اس کے علاوہ وکٹوریز یہ چاہتے تھے mission civilizatrice پر عمل کیا جائے یعنی مغرب سے مشرق کو مہذب قومی معلومات کی منتقلی (benign transfer of national knowledge) کی جائے، جس میں ریلوے اور فنون تہذیب (arts of civilization) شامل تھے۔

سر تھامس رو(Sir Thomas Roe)، جوجیمز اول کا سفیر تھا،اسے مغل دربار روانہ کیا گیا۔اُسے بادشاہ جہانگیر کے سامنے اُس وقت پیش کیا گیا۔جب مغل سلطنت بہت متمول اور طاقتور تھی۔ بادشاہ جہانگیر نے یہ ساری دولت اپنے والد بادشاہ اکبر سے حاصل کی تھی۔ بادشاہ اکبر کا شمار اس وقت دنیا کے دو مال دار ترین افراد میں ہوتا تھا۔سرمائے کے لحاظ سے اس زمانے میں صرف چین کا خاندانِ مِنگ (Ming China) بادشاہ اکبر کی ہم سری کر سکتا تھا۔ بادشاہ اکبر کی زمینیں ہندوستان بھر میں تھیں۔اکبر کی رعایا دنیا بھر کی کل صنعتی پیداوار کا چوتھائی حصہ پیدا کرتی تھی۔

کئی حوالوں سے ایسٹ انڈیا کمپنی ایک مثالی تجارتی کمپنی تھی۔کمپنی کے مرکزی دفتر میں اس کے پینتیس (۳۵) مستقل ملازم تھے۔اس کے لازمی عملے(skelton staff) نے جو تجارتی بغاوت(corporate coup) کی وہ تاریخ میں عدیم النظیر ہے یعنی اس نے عسکری سطح پر کامیابی حاصل کی،عوام وخواص کے بڑے طبقوں کو غلام بنایا اور جنوبی ایشیا کے بڑے خطے میں شاہی نوادرات کی لوٹ مار کی۔

کمپنی کی حیران کُن کامیابی کے بارے میں بہت سے مورخین نے لکھا ہے۔مغل ہندوستان کی ناکامی،ریاستوں کا آپس میں ٹکراؤ،وہ برتری جس میں فریڈرک نے یورپی نظام حکومت،عسکری اداروں،ٹیکس اور بینکوں کے نظام کی وجہ سے کمپنی کے لیے دولت لوٹنا آسان ہوا۔ان تمام وجوہات میں سب سے بڑی وجہ وہ حمایت تھی جو کمپنی کو برطانوی پارلیمنٹ کی جانب سے حاصل تھی۔پارلیمنٹ نے اپنے وسائل یعنی افواج اور بحری جہازوں کو استعمال کر کے کمپنی کی مدد کی۔

ہمیشہ سے کمپنی کے سامنے دو مقاصد رہے:ایک وہ زمین جہاں لوٹ مار کرتے تھے اور دوسرا وہ ملک جہاں سے کمپنی کا تعلق تھا۔کمپنی کے وکیل،ترغیب کاروں (lobbyists) اور ارکان پارلیمان کمپنی کے حق میں قانون سازی کرنے کے لیے اپنے اثرات ڈالتے تھے۔ ۱۶۹۳ء میں پہلی بار پتا چلا کہ کمپنی نے پارلیمان کو خریدا اور اس کے لیے بارہ سو پونڈ سالانہ خرچ کیے۔کمپنی کے گورنر کو رشوت دینے کے الزام میں قید میں بھی ڈالا گیا۔

ریاست برطانیہ کو جب بھی ضرورت پڑی کمپنی نے اپنے وسائل فراہم کیے اور کمپنی نے خود کو برطانیہ سے قانونی طور پر علیحدہ بھی کرلیا تھا۔ کمپنی نے بڑی کامیابی سے اس دستاویز کو استعمال کیا جسے شاہ عالم نے ۱۷۶۵ء میں دستخط کر کے جاری کیا تھا۔ اس دستاویز کو دیوانی کہا جاتا تھا جس کے مطابق یہاں جو کچھ بھی تھا کمپنی کی ملکیت تھا۔ ریاستِ برطانیہ نے اُن بحری اور برّی فوجی کارروائیوں پر خطیر سرمایہ خرچ کیا جہاں ہندوستان میں کمپنی کی حکومت تھی۔

بنگال کی لوٹ مار، جنگ کی وجہ سے ہونے والے نقصانات، بنگال میں ۱۷۶۹ء کا قحط اور پھر کمپنی کی جانب سے بھاری ٹیکسوں کی وجہ سے کمپنی کے افراد احساسِ جرم میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں، جنھیں ایک تصویر میں ہوا کے جھکڑ سے لہراتے ہوئے درخت سے واضح کیا گیا ہے۔ بنگال کی دولت کو برطانیہ منتقل کیا گیا اور یہاں کے خوش حال جولاہوں اور فن کاروں کو زبردستی غلام بنایا گیا۔ بنگال سے لوٹی ہوئی دولت کا بڑا حصہ کلائیو کی جیب میں گیا۔ اس لوٹ مار کے بعد جب کلائیو برطانیہ پہنچا تو وہ اس وقت یورپ کا سب سے امیر شخص کہلایا۔ ۱۷۵۷ میں پلاسی کی جنگ میں انگریزوں کی کامیابی بھی یہاں سے لوٹی ہوئی دولت کی بنا پر ممکن ہوئی۔ مرشدآباد میں موجود بنگال کے نواب کے محل سے لوٹے ہوئے خزانوں کو سو کشتیوں پر لاد کر کلکتے میں موجود کمپنی کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچایا گیا۔ اس خزانے کا ایک حصہ بعد میں پووِس کیسل کی تعمیرِ نو میں بھی استعمال ہوا۔

پووِس کیسل میں موجود شاہ عالم اور کلائیو پر مشتمل تصویر فریب پر مبنی ہے۔ اس تصویر کے مصور بنجمن ویسٹ (Benjamin West) نے کبھی بھی انڈیا کا سفر نہیں کیا۔ اس تصویر کے پس منظر میں موجود مسجد سینٹ پال کے مقبرے سے مشابہت رکھتی ہے۔ اس تصویر میں جس تقریب کو پیش کیا گیا ہے ایسی کسی بڑی تقریب کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں۔ طاقت کی منتقلی کا حکم نامہ کلائیو کے ایک خیمے میں دیا گیا تھا۔ یہ خیمہ الہ آباد میں موجود مغل قلعے کے پاس لگایا گیا تھا۔ اس مغل قلعے پر قبضہ کیے ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔

کچھ عرصے بعد برطانیہ نے اس ساری دھونس دھاندلی کو معاہدۂ الہ آباد (Treaty of Allahabad) کے عنوان سے معتبر بنانے کی کوشش کی۔ اس موقع پر کلائیو نے مَن چاہی

چیزوں کے بارے میں احکامات دیے اور خوف زدہ شاہ عالم نے انھیں تسلیم کیا۔ معاصر مغل مورخ غلام حسین خان نے لکھا ہے کہ تجارت کے معاملے میں جس سطح پر یہ معاہدہ کیا گیا اس کے لیے سمجھ دار سفیروں اور معاملہ فہم گفت وشنید کرنے والے افراد کی ضرورت تھی، ایسا کچھ نہیں کیا گیا بلکہ یہ سب کچھ اتنی عجلت میں ہوا، جتنی عجلت گدھوں کی فروخت میں اختیار کی جاتی ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی تجارت کے بل بوتے پر پوری دنیا میں نمایاں رہی۔ اس نے مشرق سے چین میں افیون منتقل کی۔ افیون جنگ (Opium Wars) لڑی گئیں تا کہ کمپنی ہانگ کانگ کے ساحلوں پر قبضہ کرے اور نارکوٹکس کے کاروبار میں اپنی اجارہ داری قائم کرے۔

مغربی حصے سے کمپنی نے چینی چائے کو میسو چی سیٹس (Massachusetts) پہنچایا جہاں بوسٹن کے ساحل پر اس چائے کو ذخیرہ کیا جاتا تھا۔ جس نے امریکا کی جنگ آزادی کو بھی بھڑکایا۔ امریکن محبانِ وطن (American Patriots) کو سب سے زیادہ یہ خوف دامن گیر رہتا تھا کہ پارلیمنٹ ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس طرز پر لوٹ مار کی اجازت دے گی جیسی لوٹ مار اس نے انڈیا میں کی تھی۔ ۱۷۷۳ء میں پیٹ ریئاٹ جان ڈکنسن (Patriot John Dickinson) نے کمپنی کی چائے کو نفرین شدہ کچرا (Accursed Trash) سے تعبیر کیا تھا اور کمپنی کے لیے امریکا میں امید مستقبل کی نوید سُنائی تھی، جس نے بنگال کے بعد اب امریکا پر اپنی آنکھیں لگائی ہوئی تھیں تا کہ ایک ایسے کِھلواڑ کا آغاز کیا جائے جہاں وہ لوٹ مار، سخت گیری اور ظلم کے جوہر دکھانا چاہتی تھی۔

۱۸۰۳ء میں جس وقت کمپنی نے دہلی پر قبضہ کیا اس وقت نابینا شاہ عالم کو ان کے تباہ حال محل میں قید کر دیا گیا۔ کمپنی نے دو لاکھ نجی فوج کی تربیت کی۔ فوج کی یہ تعداد فوجِ برطانیہ سے دُگنی تھی اور وہ اس وقت تک اتنا بارود استعمال کر چکی تھی جو اس وقت ایشیا کی کسی ریاست نے نہ کیا تھا۔

یورپ کے چند مٹھی بھر تاجروں نے ہندوستان کے با اختیار افراد پر حکومت کی جس کا دائرہ کار شمالی ہندوستان سے دہلی اور آسام تک تھا۔ مشرق کا سارا ساحلی علاقہ کمپنی کے قبضے میں تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ مغرب کا علاقہ، گجرات اور کیپ کیمورِن (Cape Comorin) یا

کنیا کماری کے درمیان ساحل بھی کمپنی کے قبضے میں تھا۔صرف چالیس سال سے کچھ زیادہ عرصے میں کمپنی پورے برصغیر پر حکومت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔کمپنی میں موجود صوبائی نواب اور گورنروں نے ہندوستان کے اتنے بڑے علاقے پر حکومت کی جو رقبے اور آبادی کے لحاظ سے یورپ کے کسی بھی ملک سے بڑا تھا۔

کمپنی کے ایک ڈائریکٹر نے تسلیم کیا کہ کمپنی نے سلطنت میں سلطنت قائم کررکھی تھی، وہ جہاں چاہتی امن قائم رکھتی اور جہاں چاہتی جنگ چھیڑ دیتی تھی۔دیوانی کا اختیار ملنے کے سات سال بعد کمپنی نے اپنے وسائل دُگنے کر لیے۔بنگال میں قحط اور لوٹ مار کے بعد کمپنی کو زمین سے حاصل کیے جانے والے محصولات کی مد میں اپنے متوقع اہداف میں زبردست کمی کا سامنا کرنا پڑا۔کمپنی کی خراب مالی حالت جس وقت سامنے آتی ہے تو تیس بینکوں کو دیوالیے کا سامنا کرنا پڑا،جس کے بعد تجارت کا پہیا رُک جاتا ہے۔

مالی مشکلات سے بچنے کے لیے کمپنی سرکاری مالی مدد(government bail out) کا مطالبہ کرتی ہے۔۱۵ جولائی ۱۷۷۲ء کو کمپنی کے ڈائریکٹران نے بینک آف انگلینڈ سے چار لاکھ پونڈ کا قرضہ لینے کی درخواست کی۔پندرہ روز بعد تین لاکھ پونڈ کے قرضے کا مزید مطالبہ کیا گیا۔بینک آف انگلینڈ نے صرف دو لاکھ پونڈ کا قرضہ جاری کیا۔۱۷۷۳ء میں کثیر قرضے جاری کر کے کمپنی کو ڈوبنے سے بچالیا گیا۔(بشکریہ معارف فیچر،کراچی)

دستان سرائے ادارہ

دلچسپ وایمان افروز واقعات

خدمتِ قرآن کا ہندو پر اثر

تقسیم ہند سے پہلے لاہور کے دو ہندو اشاعتی ادارے بڑے مشہور تھے۔ پہلا درسی کتب کا کام کرتا تھا۔اس کے مالک میسرز عطر چند اینڈ کپور تھے۔دوسرا ادارہ اگرچہ غیر مسلموں کا تھا۔لیکن اس کے مالک پنڈت نِوَل کِشَور قران پاک کی طباعت و اشاعت کیا کرتے تھے۔نِول کشَور نے احترام قرآن کا جو معیار مقرر کیا تھا وہ کسی اور ادارے کو نصیب نہ ہوسکا۔

نول کشور جی نے پہلے تو پنجاب بھر سے اعلی ساکھ والے حفاظ اکٹھے کئے۔اوران کو زیادہ تنخواہوں پر ملازم رکھا۔احترام قرآن کا یہ عالم تھا۔کہ جہاں قرآن پاک کی جلد بندی ہوتی تھی۔وہاں کسی شخص کو،خود نول کشور جی سمیت، جوتوں کے ساتھ داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔دو ایسے ملازم رکھے گئے تھے۔جن کا صرف اور صرف ایک ہی کام تھا۔کہ تمام دن ادارے کے مختلف کمروں کا چکر لگاتے رہتے تھے۔کہیں کوئی کاغذ کا ایسا ٹکڑا جس پر قرآنی آیت لکھی ہوتی۔اس کو انتہائی عزت و احترام سے اٹھا کر بوریوں میں جمع کرتے رہتے۔پھر ان بوریوں کو احترام کے ساتھ زمین میں دفن کر دیا جاتا۔ وقت گزرتا رہا۔ اورطباعت و اشاعت کا کام جاری رہا۔ پھر برصغیر کی تقسیم ہوئی۔مسلمان، ہندو اور سکھ نقل مکانی کرنے لگے۔نول کشور جی بھی لاہور سے ترک سکونت کرکے نئی دہلی چلے گئے۔ان کے ادارے نے دہلی میں بھی حسب سابق قرآن پاک کی طباعت و اشاعت کا کام شروع کر دیا۔ یہاں بھی قرآن پاک کے احترام کا وہی عالم تھا۔ادارہ ترقی کا سفر طے کرنے لگا اور کامیابی کی بلندی پر پہنچ گیا۔نول کشور جی بوڑھے ہوگئے اوراب گھر پر آرام کرنے لگے۔جبکہ ان کے بچوں نے ادارے کا انتظام سنبھال لیا اور ادارے کی روایت کے مطابق قران حکیم کے ادب واحترام کا سلسلہ اسی طرح قائم رکھا۔آخرکار نول کشور جی کا وقت آخر آ گیا۔اوروہ خالق حقیقی سے جا ملے۔

ان کی وفات پر ملک کے طول وعرض سے ان کے احباب ان کے ہاں پہنچے۔ایک بہت

بڑی تعداد میں لوگ ان کے کریا کرم میں شریک ہونے کے لئے شمشان گھاٹ پہنچے۔ان کی ارتھی کو چتا پر رکھا گیا۔چتا پر گھی ڈال کر آگ لگائی جانے لگی۔تو ایک انتہائی حیرت انگیز واقعہ ہوا۔۔۔۔نول کشور جی کی چتا آگ نہیں پکڑ رہی تھی۔چتا پر اور گھی ڈالا گیا۔پھر آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔لیکن بسیار کوشش کے باوجود بے سود۔یہ ایک ناممکن اور ناقابل یقین واقعہ تھا۔پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔لمحوں میں خبر پورے شہر میں پھیل گئی کہ نول کشور جی کی ارتھی کو آگ نہیں لگ رہی۔مخلوق خدا یہ سن کر شمشان گھاٹ کی طرف امڈ پڑی۔لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔اور حیران و پریشان تھے۔یہ خبر جب جامع مسجد دلی کے امام بخاری تک پہنچی تو وہ بھی شمشان گھاٹ پہنچے۔نول کشور جی ان کے بہت قریبی دوست تھے۔اور وہ ان کے احترام قرآن کی عادت سے اچھی طرح واقف تھے۔امام صاحب نے پنڈت جی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ سب کی چتا جلانے کی کوشش کبھی کامیاب نہیں ہو پائے گی۔اس شخص نے اللہ کی سچی کتاب کی عمر بھر جس طرح خدمت کی ہے۔اور جیسے احترام کیا ہے۔اس کی وجہ سے اس کی چتا کو آگ لگ ہی نہیں سکے گی چاہے آپ پورے ہندوستان کا تیل اور گھی چتا پر ڈال دیں۔اس لئے بہتر ہے۔کہ ان کو عزت و احترام کے ساتھ دفنا دیجئے۔چنانچہ امام صاحب کی بات پر عمل کرتے ہوئے نول کشور جی کو شمشان گھاٹ میں ہی دفنا دیا گیا۔یہ تاریخ کا پہلا واقعہ تھا۔کہ کسی ہندو کی چتا کو آگ نہ لگنے کی وجہ سے شمشان گھاٹ میں ہی دفنا دیا گیا۔

کافر جج کا عدل

ملزم ایک 15 سالہ لڑکا تھا۔ایک اسٹور سے چوری کرتا ہوا پکڑا گیا۔پکڑے جانے پر گارڈ کی گرفت سے بھاگنے کی کوشش کی۔مزاحمت کے دوران اسٹور کا ایک شیلف بھی ٹوٹا۔جج نے فردِ جرم سنی اور لڑکے سے پوچھا "تم نے واقعی کچھ چرایا تھا؟" "بریڈ اور پنیر کا پیکٹ" لڑکے نے اعتراف کرلیا۔"کیوں؟" جج نے پوچھا۔"مجھے ضرورت تھی" لڑکے نے مختصر جواب دیا۔"خرید لیتے" جج نے کہا۔"پیسے نہیں تھے" "گھر والوں سے لے لیتے" جج نے کہا۔"گھر پر صرف ماں ہے، بیمار اور بے روزگار۔بریڈ اور پنیر اسی کے لئے چرائی تھی۔" "تم کچھ کام نہیں کرتے؟" "کرتا تھا ایک کار واش میں۔ماں کی دیکھ بھال کے لئے ایک دن کی چھٹی کی تو نکال دیا گیا۔"

"تم کسی سے مدد مانگ لیتے" جج نے کہا:

"صبح سے مانگ رہا تھا۔ کسی نے ہیلپ نہیں کی"

جرح ختم ہوئی اور جج نے فیصلہ سنانا شروع کر دیا۔

"چوری اور خصوصاً بریڈ کی چوری بہت ہولناک جرم ہے۔ اور اس جرم کے ذمہ دار ہم سب ہیں۔ عدالت میں موجود ہر شخص، مجھ سمیت، اس چوری کا مجرم ہے۔ میں یہاں موجود ہر فرد اور خود پر 10 ڈالر جرمانہ عائد کرتا ہوں۔ دس ڈالر ادا کئے بغیر کوئی شخص کورٹ سے باہر نہیں جاسکتا۔" یہ کہہ کر جج نے اپنی جیب سے 10 ڈالر نکال کر میز پر رکھ دیئے۔

"اس کے علاوہ مَیں اسٹور انتظامیہ پر 1000 ڈالر جرمانہ کرتا ہوں کہ اس نے ایک بھوکے بچے سے غیر انسانی سلوک کرتے ہوئے، اسے پولیس کے حوالے کیا۔ اگر 24 گھنٹے میں جرمانہ جمع نہ کرایا گیا تو کورٹ اسٹور سِیل کرنے کا حکم دے گی۔"

فیصلے کے آخری ریمارک یہ تھے: "اسٹور انتظامیہ اور حاضرین پر جرمانے کی رقم لڑکے کو ادا کرتے ہوئے، عدالت اس سے معافی طلب کرتی ہے۔" فیصلہ سننے کے بعد حاضرین تو اشک بار تھے ہی، اس لڑکے کی تو گویا ہچکیاں بندھ گئی تھیں اور وہ بار بار جج کو دیکھ رہا تھا۔

محنتی، کام سے لگن رکھنے والا اور اَن پڑھ کا فر سرجن بن گیا

کیپ ٹاؤن کا ان پڑھ سرجن مسٹر ہیملٹن جس کو'ماسٹر آف میڈیسن' کی اعزازی ڈگری دی گئی، جو نہ لکھنا جانتا تھا نہ پڑھنا۔ یہ کیسے ممکن ہے آیئے دیکھتے ہیں:

کیپ ٹاؤن کی میڈیکل یونیورسٹی کو طبی دنیا میں ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ دنیا کا پہلا بائی پاس آپریشن اسی یونیورسٹی میں ہوا تھا، اس یونیورسٹی نے چند سال پہلے ایک ایسے سیاہ فام شخص کو "ماسٹر آف میڈیسن" کی اعزازی ڈگری سے نوازا جس نے زندگی میں کبھی سکول کا منہ نہیں دیکھا تھا، جو انگریزی کا ایک لفظ پڑھ سکتا تھا اور نہ ہی لکھ سکتا تھا....لیکن ۲۰۰۳ء کی ایک صبح دنیا کے مشہور سرجن پروفیسر ڈیوڈ ڈینٹ نے یونیورسٹی کے آڈیٹوریم میں اعلان کیا:

"ہم آج ایک ایسے شخص کو میڈیسن کی اعزازی ڈگری دے رہے ہیں جس نے دنیا میں سب سے زیادہ سرجن پیدا کیے، جو ایک غیر معمولی استاد اور ایک حیران کن سرجن ہے اور جس

نے میڈیکل سائنس اور انسانی دماغ کو حیران کر دیا۔

اس اعلان کے ساتھ ہی پروفیسر نے ہیملٹن کا نام لیا اور پورے ایڈیٹوریم نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔ یہ اس یونیورسٹی کی تاریخ کا سب سے بڑا استقبال تھا۔

ہیملٹن کیپ ٹاؤن کے ایک دور دراز گاؤں سنیٹانی میں پیدا ہوا۔ اس کے والدین چرواہے تھے، وہ بکری کی کھال پہنتا تھا اور پہاڑوں پر سارا سارا دن ننگے پاؤں پھرتا تھا۔ بچپن میں اس کا والد بیمار ہو گیا لہٰذا وہ بھیڑ بکریاں چھوڑ کر کیپ ٹاؤن آ گیا۔ ان دنوں کیپ ٹاؤن یونیورسٹی میں تعمیرات جاری تھیں۔ وہ یونیورسٹی میں مزدور بھرتی ہو گیا۔ اسے دن بھر کی محنت مشقت کے بعد جتنے پیسے ملتے تھے، وہ یہ پیسے گھر بھجوا دیتا تھا اور خود چنے چبا کر کھلے گراؤنڈ میں سو جاتا تھا۔ وہ برسوں مزدور کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ تعمیرات کا سلسلہ ختم ہوا تو وہ یونیورسٹی میں مالی بھرتی ہو گیا۔ اسے ٹینس کورٹ کی گھاس کاٹنے کا کام ملا۔ وہ روز ٹینس کورٹ پہنچتا اور گھاس کاٹنا شروع کر دیتا۔ وہ تین برس تک یہ کام کرتا رہا۔ پھر اس کی زندگی میں ایک عجیب موڑ آیا اور وہ میڈیکل سائنس کے اس مقام تک پہنچ گیا جہاں آج تک کوئی دوسرا شخص نہیں پہنچا۔

یہ ایک نرم اور گرم صبح تھی۔ پروفیسر رابرٹ جوئز زرافے پر تحقیق کر رہے تھے۔ وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ جب زرافہ پانی پینے کے لیے گردن جھکاتا ہے تو اسے غشی کا دورہ کیوں نہیں پڑتا؟ انہوں نے آپریشن ٹیبل پر ایک زرافہ لٹایا، اسے بے ہوش کیا لیکن جوں ہی آپریشن شروع ہوا، زرافے نے گردن ہلا دی، چنانچہ انہیں ایک ایسے مضبوط شخص کی ضرورت پڑ گئی جو آپریشن کے دوران زرافے کی گردن جکڑ کر رکھے۔ پروفیسر تھیٹر سے باہر آئے، سامنے ہیملٹن گھاس کاٹ رہا تھا۔ پروفیسر نے دیکھا وہ ایک مضبوط قد کاٹھ کا صحت مند جوان ہے۔ انہوں نے اسے اشارے سے بلایا اور اسے زرافے کی گردن پکڑنے کا حکم دے دیا۔ ہیملٹن نے گردن پکڑ لی۔ یہ آپریشن آٹھ گھنٹے جاری رہا۔ اس دوران ڈاکٹر چائے اور کافی کے وقفے کرتے رہے لیکن ہیملٹن زرافے کی گردن تھام کر کھڑا رہا۔ آپریشن ختم ہوا تو وہ چپ چاپ باہر نکلا اور جا کر گھاس کاٹنا شروع کر دی۔

دوسرے دن پروفیسر نے اسے دوبارہ بلا لیا۔ وہ آیا اور زرافے کی گردن پکڑ کر کھڑا

ہوگیا، اس کے بعد یہ اس کی روٹین ہوگئی وہ یونیورسٹی آتا، آٹھ دس گھنٹے آپریشن تھیٹر میں جانوروں کو پکڑتا اوراس کے بعد ٹینس کورٹ کی گھاس کاٹنے لگتا۔ وہ کئی مہینے دوہرا کام کرتا رہا۔ اوراس نے اس ڈیوٹی کا کسی قسم کا اضافی معاوضہ طلب کیا اور نہ ہی شکایت کی۔ پروفیسر رابرٹ جوئز اس کی استقامت اور اخلاص سے متاثر ہوگیا اوراس نے اسے مالی سے "لیب اسسٹنٹ" بنا دیا۔ ہیملٹن کی پروموشن ہوگئی۔ وہ اب یونیورسٹی آتا، آپریشن تھیٹر پہنچتا اور سرجنوں کی مدد کرتا۔ یہ سلسلہ بھی برسوں جاری رہا۔ ۱۹۵۸ء میں اس کی زندگی میں دوسرا اہم موڑ آیا۔ اس سال ڈاکٹر برنارڈ یونیورسٹی آئے اور انہوں نے دل کی منتقلی کے آپریشن شروع کر دیئے۔ ہیملٹن ان کا اسسٹنٹ بن گیا، وہ ڈاکٹر برنارڈ کے کام کو غور سے دیکھتا رہتا۔ ان آپریشنوں کے دوران وہ لَیب اسسٹنٹ سے ایڈیشنل سرجن بن گیا۔

اب ڈاکٹر آپریشن کرتے اور آپریشن کے بعد اسے ٹانکے لگانے کا فریضہ سونپ دیتے۔ وہ انتہائی شاندار ٹانکے لگاتا تھا، اس کی انگلیوں میں صفائی اور تیزی تھی۔ اس نے ایک ایک دن میں پچاس پچاس لوگوں کے ٹانکے لگائے۔ وہ آپریشن تھیٹر میں کام کرتے ہوئے سرجنوں سے زیادہ انسانی جسم کو سمجھنے لگا۔ چنانچہ بڑے ڈاکٹروں نے اسے جونیئر ڈاکٹروں کو سکھانے کی ذمہ داری سونپ دی۔ وہ اب جونیئر ڈاکٹروں کو آپریشن کی تکنیکس سکھانے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ یونیورسٹی کی اہم ترین شخصیت بن گیا۔ وہ میڈیکل سائنس کی اصطلاحات سے ناواقف تھا لیکن وہ دنیا کے بڑے سے بڑے سرجن سے بہتر سرجن تھا۔

۱۹۷۰ء میں اس کی زندگی میں تیسرا موڑ آیا، اس سال جگر پر تحقیق شروع ہوئی تو اس نے آپریشن کے دوران جگر کی ایک ایسی شریان کی نشاندہی کر دی جس کی وجہ سے جگر کی منتقلی آسان ہوگئی۔ اس کی اس نشاندہی نے میڈیکل سائنس کے بڑے دماغوں کو حیران کر دیا۔ آج جب دنیا کے کسی کونے میں کسی شخص کے جگر کا آپریشن ہوتا ہے اور مریض آنکھ کھول کر روشنی کو دیکھتا ہے تو اس کامیاب آپریشن کا سہرا براہ راست ہیملٹن کو چلا جاتا ہے۔ اس کا محسن ہیملٹن ہوتا ہے۔ ہیملٹن نے یہ مقام اخلاص اور استقامت سے حاصل کیا۔ وہ 50 برس کیپ ٹاؤن یونیورسٹی سے وابستہ رہا، ان ۵۰ برسوں میں اس نے کبھی چھٹی نہیں کی۔ وہ رات تین بجے گھر سے نکلتا تھا، ۱۴ میل پیدل چلتا ہوا یونیورسٹی پہنچتا اور ٹھیک چھ بجے تھیٹر میں داخل

ہو جاتا۔ لوگ اس کی آمد و رفت سے اپنی گھڑیاں ٹھیک کرتے تھے۔

ان پچاس برسوں میں اس نے کبھی تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ نہیں کیا۔ اس نے کبھی اوقات کار کی طوالت اور سہولتوں میں کمی کا شکوہ نہیں کیا۔ پھر اس کی زندگی میں ایک ایسا وقت آیا جب اس کی تنخواہ اور مراعات یونیورسٹی کے وائس چانسلر سے زیادہ تھیں اور اسے وہ اعزاز ملا جو آج تک میڈیکل سائنس کے کسی شخص کو نہیں ملا۔ وہ میڈیکل ہسٹری کا پہلا ان پڑھ استاد تھا۔ وہ پہلا ان پڑھ سرجن تھا جس نے زندگی میں تیس ہزار سرجنوں کو ٹریننگ دی۔ وہ ۲۰۰۵ء میں فوت ہوا تو اسے یونیورسٹی میں دفن کیا گیا اور اس کے بعد یونیورسٹی سے پاس آؤٹ ہونے والے سرجنوں کے لیے لازم قرار دے دیا گیا کہ وہ ڈگری لینے کے بعد اس کی قبر پر جائیں، تصویر بنوائیں اور اس کے بعد عملی زندگی میں داخل ہو جائیں۔

مَیں رکا اور اس کے بعد نوجوان سے پوچھا: "تم جانتے ہو اس نے یہ مقام کیسے حاصل کیا" نوجوان خاموش رہا۔ مَیں نے کہا: صرف ایک 'ہاں' سے۔ جس دن اسے زرافے کی گردن پکڑنے کے لیے آپریشن تھیٹر میں بلایا گیا تھا اگر وہ اس دن انکار کر دیتا، اگر وہ اس دن یہ کہہ دیتا میں مالی ہوں میرا کام زرافوں کی گردنیں پکڑنا نہیں تو وہ مرتے دم تک مالی رہتا۔ یہ اس کی ایک 'ہاں' اور آٹھ گھنٹے کی اضافی مشقت تھی جس نے اس کے لیے کامیابی کے دروازے کھول دیئے اور وہ سرجنوں کا سرجن بن گیا۔

ہم میں سے زیادہ تر لوگ زندگی بھر جاب تلاش کرتے رہتے ہیں۔ جبکہ ہمیں کام تلاش کرنا چاہیے۔ دنیا کی ہر جاب کی کوئی نہ کوئی اہلیت ہوتی ہے اور یہ جاب صرف اس شخص کو ملتی ہے جو اس اہلیت کا حامل ہو جبکہ کام کی کوئی اہلیت نہیں ہوتی۔ مَیں اگر آج چاہوں تو مَیں چند منٹوں میں دنیا کا کوئی بھی کام شروع کر سکتا ہوں اور دنیا کی کوئی طاقت مجھے اس کام سے باز نہیں رکھ سکے گی۔ ہیملٹن اس راز کو پا گیا تھا لہٰذا اس نے جاب کی بجائے کام کو فوقیت دی۔ یوں اس نے میڈیکل سائنس کی تاریخ بدل دی۔ ذرا سوچو! اگر وہ سرجن کی جاب کے لئے اپلائی کرتا تو کیا وہ سرجن بن سکتا تھا؟ کبھی نہیں! لیکن اس نے کھرپہ نیچے رکھا، زرافے کی گردن تھامی اور سرجنوں کا سرجن بن گیا اور ہم اس لیے بے روزگار اور ناکام رہتے ہیں کہ صرف جاب تلاش کرتے ہیں، کام نہیں، جس دن ہیملٹن کی طرح کام شروع کر دیا تم نوبل پرائز حاصل کر لو گے، بڑے اور کامیاب انسان بن جاؤ گے۔

ذرا ہٹ کے ڈاکٹر عبداللہ

ایک لوہار کی

* کرونا سے اگر ہمارے تنومند جسم اور موٹی گردنیں بچ گئیں تو سمجھیں کہ ’دین‘ بچ گیا۔ ’روحوں‘ کی قربانی کی کوئی وقعت نہیں، وہ پھر مل جائیں گی!

آئندہ ہمیشہ ڈبلیو ایچ او، اور یو این او کے احکامات کے مطابق شریعت کے فرائض کی ادائیگی جمہوری علماء کی سرپرستی میں لازم ہے۔

* قیام پاکستان کے بعد نئے واحد شعبے کے ماہرین، علامہ اسدؒ اور ڈاکٹر حمید اللہؒ کا قائد پاکستان کو پہلا مشورہ یہ تھا کہ انگریز نے جن خاندانوں کو جاگیروں سے نوازا ہے، ان کی جاگیریں فوری واپس لے لی جائیں۔ اس کام پر فوری عمل نہ کرنے کا نتیجہ پاکستان آج تک بھگت رہا ہے اور آج تک ان کا یرغمال ہے۔

ہماری نسلوں کو ان چہروں اور مفاد پرستوں کو ہمیشہ کے لیے پہچاننا ہے، جن کے بارے میں آخر کار قائد کو کہنا پڑا کہ ’’میری جیب میں کھوٹے سکے ہیں۔‘‘

* اپنے آپ کو اور عوام کو وہمی نہ بنائیں۔ شرعی، مناسب، ممکن، اور جائز احتیاطیں ضرور کر لیں۔ اگر اللہ پاک نے کرونا کی مختصر بیماری میں ہی ہماری موت رکھی ہے، تو یہ سسک سسک کے مرنے سے بہر حال بہتر ہے۔

آخر میں خالد بن ولیدؓ کا یہ قول یاد رکھیں کہ:

’’بزدلوں کو بتا دو کہ اگر موت میدان جنگ میں ہوتی تو خالد کبھی بستر پر نہ مرتا‘‘

* حرج ہی کیا ہے؟

دنیا کی آبادی زیادہ ہونے اور زمین کم پڑ جانے کی وجہ سے بہت سے جھگڑوں کا شکار ہے۔

اگر تریسٹھ سال سے زیادہ عمر رسیدہ شاطر سیاستدان، عیار جرنیل، مداہن جج، معذور،

بیمار، لاغرافراد اور زندہ رکھنے والی روزانہ بیسیوں گولیاں پھانکنے والے مریض، اس خدائی، وبائی، قدرتی، کرونائی چھلنی سے اگلی طرف جانکلتے ہیں۔تو دنیا تازہ دم، نیک نیت نوجوانوں کے لیے پاک ہوجائے گی اور آبادی کم ہونے کے نئے دور کے آغاز کے ساتھ، جھگڑے بھی کم پڑجائیں گے۔

* اس 'عالمی وبا' (Pandemic) نے اس 'عالمی برادری' کو 'عالمی حکومت' کے مزید قریب کردیا ہے!

اس" عالمی حاکمیت" کا کون زیادہ حقدار ہے؟(لا یشرك فی حکمه احدا...)

جبکہ زمینی حقائق بتاتے ہیں کہ دنیا کے کٹھ پتلی نائبین (بظاہر حکمران) کن اداروں کے املائی احکامات کی تعمیل میں کیسی پھرتیاں دکھاتے پھرتے ہیں؟

(IMF, ICJ, WHO,dictated from Security Council)

* کتابی طور پر اس نے ہر در، ہر گھر اور ہر فرد سے گزرنا ہے! اگر ہم 'مائیکل جیکسن' بھی بن جائیں، تو بھی 'نظری' طور پر بچ نہیں سکتے! (وہ ارب پتی 'ستارہ' جو جراثیموں سے بچنے میں جنونی تھا، لیکن تخمینی طبعی عمر سے پہلے ہی گزر گیا)۔ ایک مسلم کی طرح، نماز، طعام اور خلا کے اوقات میں ہاتھوں کا دھونا کافی ہے۔

عوامی مقامات میں ماسک پہننا ویسے بھی آپ کو گرد اور آلودگی سے بچادیتا ہے۔

رحمی اور دینی رشتوں سے کسی قیمت پر بھی تعلق ٹوٹنے نہ پائے۔

* جال بننے والے مچھیروں نے اسے ایسے بننا شروع کیا ہے کہ کوئی مچھلی اب جال (نیٹ) کے باہر نہیں رہ سکتی۔

تعلیم، صحت، گزربسر، ترسیل، تجارت، سیاست، سفر، جنگ اور امن اب اس جال (نیٹ) کی گرفت میں ہی ہوگا: اس جال/ دجال سے واحد بچاؤ 'اللہ کی رسی' (الکتاب) کے سوا کوئی بھی نہیں۔

اس کو کتابی صورت میں لے کر، سمجھ کر، عمل کر کے مضبوطی سے تھام لیجیے۔